عطار ہو، رومی ہو، رازی ہو، غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہ سحر گاہی!!

ادارہ اشرفیہ عزیزیہ کا ترجمان

ماہنامہ
غزالی

شعبان ۱۴۲۴ھ / اکتوبر ۲۰۰۳ء

زیر سرپرستی: مولانا پروفیسر ڈاکٹر میاں سعید اللہ جان دامت برکاتہم
بانی: ڈاکٹر فدا محمد مدظلہ (خلیفہ مولانا محمد اشرف خان سلیمانیؒ)
مدیر مسئول: ثاقب علی خان
مجلس مشاورت: مولانا محمد امین دوست، پروفیسر مسرت حسین شاہ، بشیر احمد طارق، قاضی فضل واحد، مولانا طارق علی شاہ بخاری۔

جلد دوم:
شمارہ: ۲

فہرست

عنوان	صاحب مضمون	صفحہ نمبر
اصلاحی وروحانی اجتماع	ڈاکٹر فدا محمد مدظلہ	۳
ارباب فرید صاحب کی وفات حسرت آیات	ڈاکٹر فدا محمد مدظلہ	۵
اصلاحی مجلس	ڈاکٹر فدا محمد مدظلہ	۶
عدم اخلاص کا علاج	ماخوذ از: احیاء العلوم	۱۳
کتابت حدیث (قسط۔۲)		۱۶
بیعت کی شرعی حیثیت (قسط۔۲)	تقریر: حضرت حسین احمد مدنیؒ	۲۰
احیاء العلوم کے فضائل		۳۰
ماہنامہ البلاغ کا ''مردِ درویش'' پر تبصرہ	البلاغ کراچی	۳۲

فی شمارہ: ۱۵ روپے

سالانہ بدل اشتراک: ۱۶۰ روپے

خط وکتابت کا پتہ: مکان P-12 یونیورسٹی کیمپس پشاور۔

حضرت ڈاکٹر فدا محمد مدظلہ

اصلاحی روحانی اجتماع

(بمقام خانقاہ اشرفیہ گلشن چشتیہ پوڑہ کوزہ باڈہ تحصیل و ضلع بٹگرام)

بندہ کو مندرجہ بالا اجتماع میں شامل ہونے کی سعادت نصیب ہوئی۔ حضرت اختیار الملک صاحب پشاور تشریف لائے تا کہ اس اجتماع کے بارے میں مشورے ہوسکیں اور اکابرین مشائخ وعلماء کو دعوت دینے کا بندوبست ہو سکے۔ حضرت مولانا حسن جان صاحب نے ۲۳، ۲۴ رجب (بمطابق ۲۰، ۲۱ ستمبر) کی تاریخیں دیں جن کے مطابق اجتماع کا بندوبست کیا گیا۔ پوڑہ کی خانقاہ کا تعارف بندہ سے بذریعہ اخوندزادہ محمد شریف صاحب ہوا جو بندہ کی اہلیہ کے ماموں ہیں اور سلسلہ نقشبندیہ کے اچھے ذاکر شاغل آدمی ہیں۔ ہمارے شیخ ومربی حضرت مولانا اشرف صاحبؒ کی صحبت میں بھی بیٹھے ہوئے ہیں انھوں نے سنایا کہ خواب کے دوران انھوں نے دیکھا کہ پوڑہ کے گرد وپیش کے پہاڑوں کو ہموار کیا جارہا ہے، ان کے پوچھنے پر کسی نے بتایا کہ حضرت مولانا محمد اشرف صاحب کی آمد کے لیے ہوئی اڈہ تعمیر ہورہا ہے۔ خواب بڑا عجیب ومعنی خیز تھا۔ کچھ دنوں کے بعد پتہ چلا کہ پوڑہ میں حضرت مولانا محمد اشرف صاحب کے خلیفہ اختیار الملک صاحب نے خانقاہ بنائی ہے۔ یہ اجتماع منعقد کرنے کی عرصہ دراز سے اختیار الملک صاحب کی خواہش تھی۔ حضرت مولانا اشرف صاحب کی حیات میں ان کو تشریف آوری کی دعوت بھی دی تھی لیکن حضرت اپنی پیرانہ سالی اور گونا گوں بیماریوں اور ضعف کی وجہ سے تشریف نہ لے جاسکے۔

حضرت اختیار الملک صاحب پشاور یونیورسٹی میں زرعی کالج کے طالبعلم تھے۔ اسی دوران حضرت مولانا محمد اشرف صاحب سے تعارف ہوا اور ان سے بیعت ہوئے۔ چونکہ ایک ذمہ دار اور فہیم شخصیت تھے اس لیے بیعت کو صرف ہاتھوں میں ہاتھ دینے تک محدود نہیں رکھا بلکہ باقاعدہ تربیت حاصل کی اور دفع رزائل، حصول فضائل اور سلسلہ چشتیہ صابریہ کے اذکار مکمل کر کے صاحب خلافت ہوئے۔ مانسہرہ اور اپنے علاقہ پوڑہ میں باقاعدہ خانقاہی ترتیب پر کام شروع کیا۔ حضرت مولانا محمد اشرف صاحبؒ کی دعا اور توجہ کی برکات کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے قبول عام عطا فرمایا۔ علمائے ظاہر اور معاصر دینی تحریک والے کارکنوں نے مخالفت اور رکاوٹیں ڈالنے کی کوشش کی جو محض ان کی غلط فہمی، حسد، ناتجربہ کاری اور ناپختگی کا نتیجہ تھی اور یہ اہل حق کی علامت ہوتی ہے کہ ان کی مخالفت میں کوئی نہ کوئی ضرور کھڑا ہوا کرتا ہے۔

اس علاقے میں دیوبند کی فکر بصورت سیاست و مدارس تو پہنچی ہوئی تھی لیکن خانقاہی ترتیب کا

فقدان تھا۔ دیوبندی خانقاہی ترتیب اس علاقے میں بذریعہ اختیار الملک صاحب اور مولانا عزیز الرحمٰن صاحب ہزاروی (خلیفہ قطب الاقطاب شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ) پہنچی۔ ہر دو حضرات نے جان توڑ کر محنت کی۔ مذکورہ بالا اجتماع میں ہزاروں افراد کا جمع ہونا بہت نیک شگون تھا، کیونکہ سیاسی جلسے اور دستار بندیوں میں تو عموماً اجتماع ہوجاتے ہیں، لیکن تصوف وسلوک کی بنیاد پر اتنا بڑا اجتماع بندہ نے کم ہی دیکھا ہے۔

اجتماع کا نظم وضبط، سکون اور نورانیت قابل دید تھی۔ یہ اجتماع انشاء اللہ سارے علاقے کے لیے رحمت ہوگا۔ منتظمین نے ہزاروں کے مجمعے کو کھانا کھلایا، خواص اور مشائخ کی ضیافت میں تو تقریباً بارہ انواع و اقسام کی چیزیں تھیں۔ بندہ کے تو دل سے دعا ہوئی کہ ''یا اللہ حضرت اختیار الملک صاحب، ان کے رفقائے کار اور منتظمین، اجتماع میں شامل ہونے والے بلکہ سارے علاقے کو گل وگلزار اور باغ و بہار کردے''۔

خانقاہ میں تربیتی بیانات کے علاوہ ذکر جہری ہوتا ہے۔ حضرت مولانا زکریا صاحب کے ہاں مدرسہ شرعیہ مدینہ منورہ میں بھی ذکر جہری ہوتا تھا جس میں بندہ کے محترم دوست ڈاکٹر سیار صاحب شامل ہوتے رہے۔ مدرسہ مظاہر العلوم ضلع سہارنپور (انڈیا) میں حضرت مولانا زکریاؒ صاحب کے گھر پر جہری مجلس ذکر میں بندہ خود بھی شامل ہوا۔ حضرت تھانویؒ کے خلیفہ حضرت مولانا فقیر محمد صاحب کی بعد از عصر اجتماعی جہری ذکر کی مجالس میں بندہ کو بارہا بیٹھنے کا موقع ملا۔ حضرت اختیار الملک صاحب کی مجلس ذکر و نعت خوانی میں بعض مریدین کا چیخیں مارنا، نعرے لگانا اور از خود رفتہ ہونا دیکھا گیا۔ علمائے ظاہر اس کا مذاق اڑاتے ہیں لیکن محققین صوفیاء اس بات کو جانتے ہیں کہ غلبہ حال، نعرہ ہائے ہوحق، گریہ وصیحہ، کپڑے پھاڑنا وغیرہ بے اختیاری کی حالت میں ہوسکتے ہیں۔ مقصود تو نہیں ہیں لیکن محمود ضرور ہیں، اگرچہ ایسا سالک ذرا اعصابی لحاظ سے کمزور ہوتا ہیں، لیکن یہ بات اس کے شدت تعلق مع اللہ کی علامت ہوتی ہے۔ سلوک کے شروع دور میں بہت مضبوط لوگوں پر بھی یہ بات آسکتی ہے بعد میں سکون اور ٹھہراؤ پیدا ہوجاتا ہے۔

حالات کو دیکھ کر اندازہ ہوا کہ سلسلہ دن دوگنی اور رات چوگنی ترقی کرے گا۔ **اللّٰھم زد فزد.**

☆☆☆☆☆

مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ

(تم میں سے جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو وہ اپنے مہمان کا اکرام کرے)

ڈاکٹر فدا محمد مدظلہ

حضرت ارباب فرید صاحب کی وفات حسرت آیات

حضرت مولانا فقیر محمد صاحب کے خلیفہ ارباب فرید صاحب دار فانی سے رحلت فرما گئے۔ مرحوم پشاور کے مومند قبیلہ کے خوانین کے مشہور خاندان (ارباب فیملی) سے تھے۔ برطانوی فوج میں میجر کے عہدے پر کام کر رہے تھے، اس پوسٹ سے اپنے آپ کو تبدیل کروا کے سول انتظامیہ میں شامل ہوئے اور پاکستان بننے پر لکی مروت کے پہلے اسسٹنٹ کمشنر مقرر ہوئے۔ اسی ملازمت کے دوران جبکہ آپ مہمند ایجنسی کے پولیٹیکل ایجنٹ تھے حضرت مولانا فقیر محمد صاحب کے خلیفہ تنظیم الحق حلیمی صاحب کے ذریعہ حضرت مولانا فقیر محمد صاحب سے تعارف ہوا، بیعت ہوئے اور تھوڑے عرصہ میں صاحب خلافت ہوئے۔ حضرت مولانا فقیر محمد صاحب نے زندگی کے آخری ایام میں جو خانقاہ بنائی اس کے لیے ارباب فرید صاحب نے اپنی زمین پیش کی۔ حضرت نے مسجد والا ٹکڑا تو بغیر معاوضے کے قبول فرمایا لیکن اپنے رہائشی حصہ کی قیمت ادا کی۔

حضرت مولانا فقیر محمد صاحب کی وفات کے بعد ارباب صاحب ہی خانقاہ کا نظام چلاتے رہے۔ بندہ کو بارہا ان کی مجلس میں حاضری کی توفیق ہوئی۔ حضرت تھانویؒ کے ملفوظات پڑھے جاتے تھے جنھیں ارباب فرید صاحب خود بھی خوب دھیان سے سن رہے ہوتے تھے۔ بندہ کو یوں محسوس ہوتا تھا کہ جو کچھ پڑھا جارہا ہے ارباب صاحب پر اس کا حال طاری ہوتا ہے اور مجلس والوں کی طرف گویا اس کلام کی حقیقت منتقل ہو رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین۔

☆☆☆☆☆

حضرت امام ترمذی علیہ الرحمۃ جب نابینا ہو گئے تو ایک مرتبہ آپ کو سفر کا اتفاق ہوا۔ راستہ میں ایک مقام پر پہنچ کر آپ نے اونٹ پر بیٹھے بیٹھے سر جھکا لیا۔ جمال نے اس کا سبب پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ یہاں ایک درخت ہے اس میں ٹکر لگتی ہے۔ جمال نے کہا کہ یہاں تو کوئی درخت نہیں ہے۔ آپ نے اونٹ کو وہیں رکوا دیا اور فرمایا کہ اگر میرا حافظہ اس قدر کمزور ہو گیا ہے تو میں آج سے حدیث بیان کرنا چھوڑ دوں گا۔ قریب کے گاؤں میں اول بھیج کر دریافت کیا اکثر لوگوں نے وہاں درخت ہونے سے انکار کیا لیکن گاؤں کے بعض بوڑھوں نے کہا کہ مدت گذری کہ یہاں ایک درخت تھا اور تقریباً بارہ برس ہوئے کہ اس کو کاٹ دیا گیا ہے۔ جب اس کی تصدیق ہو گئی تو آپ آگے بڑھے۔ (وعظ ''تعلیم البیان'' مولانا اشرف علی تھانویؒ)

ڈاکٹر فدا محمد مدظلہ

اصلاحی مجلس

آدمی کا دل کسی نہ کسی جگہ لگا ہوا ہوتا ہے، جہاں اس کا دل لگا ہوا ہے اور جس کو یہ اپنا معیار، آئیڈیل اور پسندیدہ سمجھتا ہے اسی کا اثر اس کے باطن میں آتا رہتا ہے۔ کل اتنا سارا بیان کیا تو جب گھر کی طرف واپس جا رہا تھا تو برخودار نثار صاحب کہہ رہے تھے کہ آواز نہیں آرہی تھی۔ اس پر بندہ کو غصہ آیا اور برخوردار سے کہا کہ یہ بات تو آپ کو بیان کے دوران کہنی چاہئے تھی، میں نے تو اتنی دیر خوب زور لگایا اور آپ بیان کے خاتمے پر کہہ رہے ہیں کہ آواز نہیں آرہی تھی۔

حضرت مولانا اسلم صاحب، جو نشتر میڈیکل کالج کے خطیب ہوا کرتے تھے اور رائے ونڈ کے سالانہ اجتماع بیان فرمایا کرتے تھے، نے ہمیں ایک قصہ سنایا کہ ایک خان صاحب ایک گانے والی کو لیکر آیا۔ بہت لوگ جمع ہوئے کہ گانا سنیں گے بڑا لطف آئیگا۔ اس گانے والی کی آواز بہت خراب تھی اور جونہی اس نے شروع کیا تو ایک ایک کر کے ہر کوئی بھاگتا چلا گیا یہاں تک کہ سارے لوگ چلے گئے۔ اب صرف خان صاحب رہ گیا کیونکہ اس نے تو پیسے ادا کئے ہوئے تھے، آخر اس کو بھی نیند آنے لگی اور وہ جب سونے لگا تو گانے والی عورت نے کہا کہ خان صاحب آپ بھی سو رہے ہیں تو خان صاحب نے کہا کہ ہمیں آپ پر اعتبار ہے کہ آپ صبح تک گاتی رہیں گی۔ تو آپ لوگوں کو بھی ہم پر اعتبار ہوتا ہے کہ آپ گھنٹہ دو گھنٹہ لگے رہیں گے۔ تو اعتبار کی بات تو نہیں ہوتی یہ تو سننے کی بات ہوتی ہے کہ جب میں بول رہا ہوں تو آپ کو آواز آرہی ہو۔ اگر آواز نہ آرہی ہو تو اسی وقت کہنا چاہئے کہ آواز نہیں آرہی ہے تا کہ آواز پہنچانے کا بندوبست کیا جائے کیونکہ <u>ہمارے سلسلے میں ''ذکر جہری ہے اور فیض لسانی ہے''</u>۔ ہمارے مشائخ توجہ نہیں ڈالتے بلکہ زبان سے جو کلمات اللہ تعالیٰ کے تعلق کے ادا ہوں اور دینی مضامین بیان ہوں ان کو دھیان سے سنا جائے اور آدمی ان پر غور کرے تو اس سے باطن میں فیض آتا ہے توجہ کرنا ہمارے سلسلے میں نہیں ہے۔ حضرت تھانویؒ نے لکھا ہے کہ ''**اقرب الی السنة**'، فیض لسانی ہے کہ انبیاء علیہ السلام کا طریقہ فیضِ لسانی کا رہا ہے۔ بہر حال ہم مشائخ کے توجہ کے طریقے کے خلاف بھی نہیں ہیں۔

کل اس پر تفصیلی بات ہوئی ہے کہ ہر آدمی کے دل میں کوئی پسندیدہ ہوتا ہے، آئیڈل ہوتا ہے، کوئی معیار ہوتا ہے، کسی کی طرف بار بار توجہ اور دھیان جاتا رہتا ہے، تو اسی کا اثر اس کے باطن میں آتا ہے اور حقیقتِ بیعت اسی کو کہتے ہیں۔ یعنی تصوف کی زبان میں کہتے ہیں کہ آپ کی مناسبت کس کے ساتھ ہے جس

کے ساتھ آپکی مناسبت ہے وہیں سے آپ کا روحانی فیض ہوگا۔ خواہ وہ ظلمت والا ہے یا نورانیت والا۔ ایک واقعہ پہلے بھی نے سنایا تھا کہ جب ہم اسلامیہ کالج میں پڑھتے تھے (۶۵۔۱۹۶۴ء میں) تو اس زمانے میں یہ ٹیٹران والا کپڑا نہیں تھا۔ لٹھہ اور پاپلین کا کپڑا ہوا کرتا تھا اور ان کے ملبوسات لوگ بنوایا کرتے تھے یا پھر ''دو گھوڑا بوسکی'' ہوتی تھی۔ یہ جو انگریزی کالر آپ لوگ بنواتے ہیں اور اسکو پیچھے موڑتے ہیں اس کا رواج لارڈ کرزن کے زمانے سے شروع ہوا، اور اب تک چل رہا ہے۔ تو میں نے کالج میں دیکھا کہ لڑکوں نے کالج میں اپنی قمیص کے اس انگریزی کالر کو پیچھے موڑنے کی بجائے سیدھا کھڑا کیا ہوا ہے۔ میں نے سوچا کہ یہ کیا بات ہوگئی ہے؟ اس وقت ہندوستان کی فلمیں پاکستان میں چلا کرتی تھیں، (۱۹۶۵ء تک چلتی تھیں جنگ کے بعد بند ہوگئیں) تو ایک شخص نے کہا کہ فلاں فلم میں دیوآنند نے جو کہ ہندوستانی فلموں کا مشہور بھانڈ اور کنجر (ایکٹر) تھا ایک فلم میں ادکاری کرتے ہوئے کالر کو اِس طرح سیدھا کھڑا کیا ہوا تھا۔ تو لڑکوں کو وہ ادا پسند آئی اور اب اُس کا اتباع کر رہے ہیں اور اُس کو اختیار کر رہے ہیں۔ تو گویا ان کو وہاں سے فیض ہوا ہوا ہے کیونکہ وہی اُن کا آئیڈیل ہے۔

تو آج جو بات کرنی تھی کہ یہ تو اضطراری اور غیر اختیاری مناسبتیں اور تعلق ہے۔ اگر کسی آدمی کو اہل حق کا اور اہل اللہ کا اور نیک لوگوں کا غیر اختیاری تعلق بِلا ارادہ نہیں حاصل ہے تو اِس کو قصداً، ارادۃً اپنے آپ کو مجبور کر کے مجالس میں لے جانا اور دھیان اس طرف لگانا اور کوشش کرنا اور ملنا ملانا اور انکی تعلیمات کو سننا اور انکی تحریرات کو پڑھنا چاہیے۔ تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ جو باطن میں باطل کا، غیر اللہ کا اور غیر معیاری اور فاسق و فاجر لوگوں کا جو تعلق بنا ہے وہ آہستہ آہستہ مدہم ہوتا جائے گا اور آخر کار ایک دن ٹوٹ جائیگا اور جب یہ ٹوٹ جائیگا تو آپ کے قلب پر اُن کی طرف سے ظلمت آنا بند ہو جائیگی اور قلب کا جو زوال ہو رہا تھا اور باطن میں جو تاریکی آرہی تھی وہ بھی آنا بند ہو جائیگی۔ اور ایک دن انشاء اللہ تعالیٰ طبیعت صلحاء کی طرف بھی مائل ہو جائے گی اور طبعی تعلق بھی ہو جائیگا۔ جس دن مکہ مکرمہ فتح ہوا تو قریش مکہ کا خیال تھا کہ جسطرح اور لوگ شہروں کو فتح کرتے ہیں تو مال لوٹتے ہیں، عورتوں کی بے حرمتی کرتے ہیں، ان پر ہاتھ ڈالتے ہیں تو ایسے ہی یہ لوگ بھی کرینگے کیونکہ سارے انسان ہیں، ہر کسی کے ساتھ sex ہے، ہر کسی کو مال کی ضرورت ہے۔ جس وقت ابوسفیان نے ہتھیار ڈال دیئے تو حضور ﷺ نے اعلان فرمایا کہ جو ابوسفیان کے گھر میں پناہ لے گا اُس کو بھی امن ہے، لیکن جب مذاکرات کر کے واپس گھر آیا تو اس کی بیوی ''ہند'' نے ابوسفیان کی بڑی بڑی مونچھوں

سے اس کو پکڑ کر گھسیٹا اور زمین پر گرا دیا کہ تو تو ہتھیار ڈال کر آ گیا ہے کہ اُدھر سے اعلان ہو رہا ہے کہ جو تیرے گھر میں آ گیا وہ بھی محفوظ ہے اس کو بھی امن ہے۔ رات کو قریش مکہ اس انتظار میں تھے۔ بیت اللہ شریف جو کہ وادی مکہ کے سب سے زیریں مقام پر تعمیر ہوا ہے، اب تو بڑی بڑی اونچی عمارتیں ہو گئیں ہیں ورنہ ۱۹۷۵ء میں مجھے یاد ہے کہ سارے مکہ مکرمہ کے ہر گھر سے بیت اللہ شریف نظر آتا تھا۔ اور غارِ حرا جو کہ وہاں سے تین یا چار میل دور ہے وہاں سے بھی بیت اللہ شریف نظر آتا تھا۔ میں نے ۱۹۷۵ء میں غارِ حرا سے خود دیکھا ہے۔ اب شاید مینارہ نظر آتا ہے مگر اس وقت بیت اللہ شریف نظر آتا تھا۔ تو اب ابوسفیان اور اُس کی بیوی ہند بیٹھے ہوئے ہیں اور رات کو جو صحابہ کرامؓ نے بیت اللہ شریف کا طواف کیا، نوافل پڑھے، روئے اور گڑگڑائے۔ اور اللہ کے حضور دعا میں بلبلائے تو ابوسفیان نے ہند سے کہا کہ اس نظارے کو دیکھو۔ دیکھ کیا یہ حق نہیں ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ ہاں یہ حق ہے اور واقعی یہ دنیا دار لوگ نہیں ہیں۔ یہ اہل اللہ اور اللہ کے تعلق والے ہیں اور واقعی یہ معیاری لوگ ہیں اور واقعی یہ حق ہے۔ لہٰذا صبح یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت ہونے کے لیے آئی، ساری عورتیں بیٹھی ہوئی تھیں تو اس نے پردہ کیا ہوا تھا اور اپنے آپ کو چھپایا ہوا تھا تاکہ میں نظر نہ آؤں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورتوں کو یہ پابندی کرنی پڑے گی اور یہ ایسا کریں گی اپنے نفس کی حفاظت کریں گی کہ اُن سے کوئی کوتاہی نہ ہو۔ تو اس پر ''ہند'' نے کھڑے ہو کر کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا کوئی شریف عورت اس بات کو سوچ بھی سکتی ہے کہ وہ غیر مرد کی طرف مائل ہو گی۔ تو وہ بھی ایسی غیرت والی عورت تھی کہ شریف عورت کے متعلق اس کا یہ ذہن تھا کہ ناممکن ہے کہ کسی غیر کر طرف مائل بھی ہو۔ خیر باقی تمام عورتوں کے ساتھ یہ بھی بیعت ہو گئی۔ پھر یہ سامنے آئی اور کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ہند ہوں اور ابوسفیان کی بیوی ہوں اور کہنے لگی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کل تک میری نظر میں سب سے بُرا خیمہ آپ کا خیمہ تھا (کہ آپؐ کے خیمے کو دیکھ کر تکلیف ہوتی تھی) لیکن اب سب سے بہتر خیمہ میری نظر میں وہ ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہوں۔ مطلب یہ ہے کہ طبیعت پر جبر کیا، حق کو اختیار کیا، آپؐ کے قریب ہوئیں اور بیعت اختیار کی تو اللہ تعالیٰ نے قلب سے جو غیر مناسبت تھی اسکو نکال دیا اور مناسبتِ طبیعہ حاصل ہو گئی۔ ایسے ہی ہمارے دل میں سارا غیر اللہ بیٹھا ہوا ہے اور ہمارا دل اسی میں لگتا ہے...... مجھے یاد ہے کہ ہم تھرڈ ائیر میں تھے تو اس زمانے میں میڈیکل کالج میں بہت پردہ ہوتا تھا۔ جو پراسپیکٹس (تعلیمی ادارے کی قوانین کی کتاب) میں لکھا ہوا ہے اس کی بڑی پابندی تھی۔ سفید دوپٹہ، شلوار قمیص، بال اور گردن چھپائے ہوئے، ڈھیلا لمبا اوور آل (لمبا سفید کوٹ)

پہنے ہوئے لڑکیاں آتی تھیں۔ اگر اتنا پردہ ہوا ہو تو اس میں عام مزاج کے آدمی کے جذباتِ شہوانیہ برانگیختہ نہیں ہوتے۔ لیکن اگر بال اور گردن کھلی ہوئی ہو تو درمیانے درجے کے مزاج والوں کے جذبات برانگیختہ ہوتے ہیں اور اگر سینہ نظر آ رہا ہو تو پھر ہر کسی کے برانگیختہ ہوتے ہیں، ذاکر شاغل قسم کے لوگوں کے بھی۔ اس چیز کو خاص طور سے کہا کہ "وَ لْیَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰی جُیُوْبِهِنَّ" (سورہ النور) "اور ڈال لیں اپنی اوڑھنی اپنے گریبان پر"۔ کہ یہ پردہ تو گھروں میں بھی کرنا ہوگا۔ اور باہر نکلنے کے بارے میں تو کہا گیا کہ "یُدْنِیْنَ عَلَیْهِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِهِنَّ" کہ جب باہر نکلیں تو جلباب اوڑھ کر یعنی جسم کو ڈھانپ کر نکلیں۔ ایک صحابیؓ کے شاگرد کہتے کہ میں نے اپنے استاد سے پوچھا تو انھوں نے "جَلَابِیْبِهِنَّ" کیا ہے؟ تو وہ کھڑے ہوئے اور لمبی چادر لے کر سارے جسم کو اچھی طرح ڈھانپا اور صرف ایک راستہ آنکھوں کے دیکھنے کے لیے چھوڑا کہ یہ دیکھنے کے لیے ضروری ہے۔ باہر نکلنے کا پردہ، ہر وقت پردہ، گریبانوں کا دوپٹے سے چھپائے رکھنا۔ اور تیسرا پردہ کہ آنکھ کا پردہ۔ "وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ یَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَیَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ" ترجمہ: اور کہہ دے ایمان والیوں، کو نیچی رکھیں ذرا اپنی نگاہیں اور تھامتی رہیں اپنے ستر کو۔ تو یہ آنکھ کا پردہ ہوا۔ اس کے بعد دل کا پردہ ہے، "یَعْلَمُ خَائِنَةَ الْاَعْیُنِ وَ مَا تُخْفِی الصُّدُوْرُ" (مؤمن۔۱۹) آنکھ کی خیانت کو بھی وہ جانتا ہے اور جس خیال کو تو دل میں چھپاتا ہے اس کو بھی جانتا ہے۔) تو دل کا پردہ یہ ہے کہ دل میں غیر محرم کا خیال بھی نہ گزرے۔

بعض صوفیاء اپنے مشائخ سے یہ پوچھتے ہیں کہ میں شادی نہیں کرنا چاہتا! تو ان کو محققین کہا کرتے ہیں کہ اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ آپ کے دل سے بھی شہوت کا خیال نہ گزرے، تب اگر شادی نہ کریں تو خیر ہے۔ اگر دل سے بھی خیال گزرتا ہو تو پھر اس کا بندوبست کرنا ہوگا......

تو دل ہمارا نہیں لگے گا، دل ہمارا فضولیات میں لگے گا۔ ہمارا ایک کلاس فیلو ہوتا تھا تو اس نے کہا کہ یار فدا آپ سے ایک بات پوچھتا ہوں کہ مسجد میں نماز کے لیے جاتا ہوں ناں تو دل چاہتا ہے کہ بھاگ کر باہر نکل جاؤں بیٹھنے کو دل ہی نہیں کرتا۔ یہی تو دل کے اندھیرے کی اور ظلمت کی علامت ہوتی ہے۔ مچھلی کا دل پانی میں رہنے کو چاہا کرتا ہے اگر پانی سے نکالیں تو تڑپا کرتی ہے کیونکہ اُسی کے ساتھ اس کا دل لگا ہوا ہے اس کی حیات و زندگی کا دارومدار پانی پر ہے۔

تو دل خیر کی جگہوں پر نہ لگتا ہو تو آدمی فوراً جان لے کہ باطن میں اندھیرا ہے اور اگر دل لگ گیا تو

اب اِنشاء اللہ تعالیٰ روشنی آنے کے حالات ہیں۔دل لگنے کے لیے جبر کریں۔کہ پہلے آدمی جبراً کیا کرتا ہے اور جس لائن میں آدمی نفس پر جتنا جبر کرتا ہے پھر وہ اس کا اتنا ہی ماہر ہو جاتا ہے۔ہمارے محلے میں محبّ الرحمٰن قاضی مجیب الرحمٰن صاحب (سابق پروفیسر وصدر شعبہ اسلامیات) کا بیٹا ہوتا تھا، ہاکی کی دنیا کا چیمپئن تھا اور پاکستان کی قومی ٹیم میں تھا۔اس نے اپنے آپ کو، اپنے بدن کو، اپنے نفس کو، دوڑ دوڑ کر اور کھیل کھیل کر اتنا تھکایا تھا کہ انتہا کردی، اس کی دو بڑی عجیب قربانیاں یاد ہیں، ایک تو باپ کے جنازے پر نہیں آسکا تھا کیونکہ وہ عالمی سطح کا میچ کھیلنے گیا ہوا تھا، تو باپ کا جنازہ اس نے قربان کیا۔اور دوسرا اس کو آخر میں پٹھوں کا کینسر ہوا ہے۔ اتنا دوڑا ہے وہ، اس نے ان پٹھوں کو اتنا تھکایا ہے کہ پٹھا قربان ہوا تو اس کو کینسر ہو گیا تب کہیں جا کر عالمی سطح کے منظر پر آیا ہے۔تو کیا ہم نے حق کے لیے ایسی قربانی دی ہے؟ تو جو جتنا نفس پر جبر سے کرتا ہے، وہ اس چیز میں اتنا ہی آگے بڑھتا ہے۔

سارے لوگوں کی نگاہوں سے گرا ہے مجذوب
تب کہیں جا کے تیرے دل میں جگہ پائی ہے

(اس جگہ حضرت ڈاکٹر صاحب کے ایک شاگرد جبران نے سوال کیا جو کہ درج ذیل ہے)

"دین کی راہ میں اپنے اوپر جبر کرنا تو منافقت کی زمرے میں آتا ہے"۔ڈاکٹر صاحب نے پوچھا وہ کیسے؟ تو برخوردار نے وضاحت کی "یعنی دل نہ چاہتا ہو اور پھر بھی باامرِ مجبوری کرے، یعنی اگر گھر والے دین دار ہوں اور اس شخص کا اپنا دل نہ چاہتا ہو یا پھر کوئی مفاد کہیں سے حاصل ہوتا ہو یا خطرات سے بچنے کا ذریعہ ہو۔"

جواب:۔اگر مفاد حاصل کرنے کے لیے دین پر عمل کرے یا خطرات سے بچنے کے لیے تو یہ اس کے باطن کی اور شخصیت کی کمزوری ہے۔لیکن ہم تو جبر اس بات کو کہہ رہے ہیں کہ میں اس کو کرتے کرتے تھک گیا پھر بھی اپنے نفس کو اس پر چلا رہا ہوں۔جیسے طالب علم نے رات کو آٹھ بجے ۹ بجے تک پڑھا۔۱۰ یا ۱۱ بجے تک پڑھا۔۱۲ بجے تک پڑھا، تھک گیا۔اب چائے پی رہا ہے، اٹھ رہا ہے پانی پی رہا ہے، نہا کر پھر بیٹھ رہا ہے، کیونکہ اس نے پوزیشن لینی ہے اس لیے اپنے آپ کو تھکا رہا ہے۔تو جس مجاہدے کو میں بیان کر رہا ہوں وہ یہ ہے اور جس بات کو آپ کہہ رہے ہیں وہ تو ایک شخصیت کی کمزوری ہے کہ آدمی حق کو حق کے لیے نہیں کر رہا بلکہ اس کو مفادات کے لیے کر رہا ہے۔تو شخصیت کی کمزوری جدا پہلو ہے۔جبکہ اپنے آپ کو مجاہدے میں ڈالنا عین

اجر و ثواب ہے، یہ تو عین ہمت کا کام ہے کہ لقمان حکیمؑ نے اپنے بیٹے سے کہا۔

یٰبُنَیَّ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ وَ اْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَ انْہَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَاصْبِرْ عَلٰی مَآ اَصَابَکَ اِنَّ ذٰلِکَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ (سورہ لقمان ۔۱۷)

ترجمہ: ''کہ اے بیٹے نماز کو قائم کرو۔ نیک بات کا حکم دو۔ بری بات سے روکو۔ اور جو تکالیف آئیں ان پر صبر کرو بے شک یہ جوانمردی کے کام ہیں۔''

ابو مسلم خولانیؒ اپنے پاؤں پر کوڑے مارا کرتے تھے۔ احیاء العلوم میں بہت واقعات لکھے ہوئے ہیں کہ بعض اولیاء اللہ رات کو نماز پڑھتے تھے اور اس قدر تھک جاتے تھے کہ آخر میں ایسا ہو جاتا تھا کہ چارپائی تک چل نہیں سکتے تھے اور اپنے آپ کو گھسیٹ کر چارپائی پر پہنچاتے تھے اور گرتے تھے۔ صوفیاء کے ایسے واقعات آئے ہوئے ہیں۔ اور ہم دنیا کے لیے تھکتے ہیں یعنی صبح سے لیکر ۲ بجے تک ہمارے سرجن آپریشن کرتے ہیں پھر جاتے ہیں، پتہ نہیں کھانا، لیٹنا اور کوئی نماز پڑھتا ہو یا نہ پڑھتا ہو کیا کرتا ہو نہ کرتا ہو اور پھر ۴ بجے جا کر دوبارہ کلینک پر بیٹھتے ہیں پھر وہاں سے رات ۱۰ بجے اور کوئی ۱۲ بجے واپس آتے ہیں اور پھر صبح ۷ ساڑھے سات بجے راؤنڈ پر کھڑا ہونا ہوتا ہے۔ تو آدمی جب تھوڑا عرصہ جبر کر کے کام کرتا ہے، تو پھر نفس مطیع ہو جاتا ہے۔ ٹائپ کرتے ہیں ناں، ٹائپ کرنے والا پہلے الفاظ کو اُنگلیوں پر تقسیم کر کے سیکھتا ہے۔ پھر ایک لفظ پر اُنگلی مارتا ہے اور کبھی اُنگلی دوسرے لفظ پر جا کر پڑتی ہے، تکلیف ہوتی ہے۔ پھر اُس کو مجبور کرتا ہے، جبر کرتا ہے یہاں تک کہ کرتے کرتے کچھ عرصہ کے بعد پھر اُس کو مزہ بھی آتا ہے اور دوسری طرف دیکھ کر پڑھ رہا ہوتا ہے اور اِدھر بغیر دیکھے ٹائپ کر رہا ہوتا ہے۔ اور اب سب کچھ بلا تکلیف کے ہو رہا ہے کیونکہ جبر کا دور گزر گیا، اب سہولت کا دور آ گیا۔

نفس کو مجاھدہ میں تو ڈالنا پڑے گا، کوشش تو کرنی پڑے گی۔ سوات کے ایک بزرگ حضرت اخوند عبد الغفورؒ ہیں جو کہ سیدو باباؒ کے نام سے مشہور ہیں۔ اس اوپر کے علاقے کو ''غریزہ'' اور نچلے علاقے جن میں چارسدہ، مردان اور پشاور شامل ہیں ان کو ''سمہ'' کہتے ہیں۔ حضرت غریزہ (پہاڑی علاقہ) سے سمہ (ہموار علاقہ) کی طرف آ رہے تھے تو سمہ میں گندم کی کٹائی ہو رہی تھی۔ گندم کاٹنے والے کو پشتو میں لوگر یا لوگیر کہتے ہیں۔ تو جب یہ لوگ کام سے تھک جاتے ہیں تو اپنی زبان میں سندرے اور ٹپے (پشتو گیت) گاتے ہیں تو ایک لوگیر نے سندرہ کا ایک شعر پڑھا

ے خوب اوکڑہ خاورے بہ یوسے
شہ دیے هغوداسوك چه ورته شو گیرے کوینه

وہ شخص تو یہ شعر پڑھتے ہوئے گندم کاٹنے میں لگ گیا اور اس شعر کی وجہ سے سید وباباؒ پر وجد طاری ہو گیا۔ کلام سے جو حال طاری ہوتا ہے تو ہر ہر رگ پھڑکتی ہے۔ تو انھوں نے کہا کہ ’’ بچیبه لگ شانتے خوب مه کوله آهم را ناپاتے کڑو‘‘۔ یعنی تھوڑی نیند جو کرتے تھے وہ بھی تم نے ختم کر دی اور پھر اس کے بعد ان بزرگ کو رات کو نیند کرنے کا موقع نہیں ملا۔ جن خطیب صاحب سے ہم نے بچپن میں شعر سنا تھا انھوں نے کہا کہ اس شعر کے دو معنی ہیں ایک معنی یہ ہیں کہ اگر نیند کرو گے تو ساتھ خاک لے جاؤ گے بہتری ہوئی اس کی جو جاگا راتوں کو۔ اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ ’’شاہ‘‘ ایک خوبصورت عورت تھی۔ جس کے بارے میں اس نے یہ کہا ہے کہ نیند سے تو یہ خوبصورت عورت نہیں ملے گی، جس نے اس کے لیے رتجگے کیے اسکو ملے گی۔ واقعی تعلق مع اللہ کے لیے بھی مجاہدات ہیں، رتجگے ہیں، آہ وزاری ہے، خاک وخون میں لوٹ پوٹ ہونا ہے،

دل وجگر ہوئے ہیں خوں تب ہیں ملی ہے یہ
مفت میں کیوں کسی کو دوں مے میری مفت کی نہیں

☆☆☆☆☆

(بقیہ صفحہ نمبر ۳۱) والجن و الانس‘‘ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک پر خوشی کے آثار دیکھتا ہوں، آپ مجمع کی طرف متوجہ ہو کر فرماتے ہیں: غزالی کہاں ہیں؟ غزالیؒ کھڑے ہوتے ہیں اور عرض کرتے ہیں: یارسول اللہ! میں یہاں ہوں، پھر وہ آگے بڑھتے ہیں اور سلام عرض کرتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سلام کا جواب دیتے ہیں اور اپنا دست مبارک غزالی کی طرف بڑھاتے ہیں، غزالیؒ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر بوسہ دیتے ہیں، اپنی آنکھوں سے لگاتے ہیں اور اپنے سر پر رکھتے ہیں، میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو انتہائی مسرت کے عالم میں صرف اسی وقت دیکھا جب غزالیؒ کی احیاء العلوم پڑھی جا رہی تھی۔ اس واقعہ کے بعد میں بیدار ہو گیا، خواب کے اثرات ابھی تک باقی تھے، میری آنکھوں سے آنسو رواں تھے، میرے خیال سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مذاہب اربعہ کی تصدیق کرنا اور غزالیؒ کے بیان کردہ عقائد پر اظہار مست فرمانا اللہ تعالیٰ کا ایک زبردست انعام ہے، خداوند کریم! ہمیں سنت نبوی پر قائم رکھ اور شریعت نبوی پر موت دے۔ آمین۔

ماخوذ از: احیاء العلوم

عدم اخلاص کا علاج

اخلاص کا نہ ہونا ایک مرض ہے، اوراس کا علاج یہ ہے کہ نفسانی حظوظ کا قلع قمع کیا جائے، دنیا سے طمع منقطع کی جائے، اور آخرت کے لیے اس طرح خاص ہوا جائے کہ دل پر آخرت غالب ہو جائے، اس طرح اخلاص یقیناً آسان ہو جائے گا۔ کتنے اعمال ایسے ہیں کہ ان میں آدمی تعب اور مشقت برداشت کرتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ میں خالص اللہ کی رضا کے لیے یہ عمل کر رہا ہوں، لیکن اس کا خیال غلط ہوتا ہے۔ مغالطے کی وجہ یہ ہے کہ اسے آفت کی وجہ معلوم نہیں ہوتی، اور وہ اپنے اعمال کو شوائب سے پاک تصور کرنے کی غلطی میں مبتلا رہتا ہے۔ ایک بزرگ نے اپنی تیس برس کی نمازیں محض اس لیے دہرائیں کہ ایک دن جب وہ مسجد پہنچے تو جماعت کھڑی ہو چکی تھی، اور صف اول میں جگہ باقی نہیں رہی تھی، مجبوراً انھیں دوسری صف میں نماز پڑھنی پڑی، اور اس پر انھوں نے شرم محسوس کی، اس واقعہ کے بعد ان کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ میں صف اول میں محض اس لیے نماز پڑھتا تھا کہ لوگ مجھے دیکھتے تھے اور مجھے ان کے دیکھنے سے خوشی ملتی تھی، اسی لیے آج دوسری صف میں کھڑا ہونے پر مجھے شرم محسوس ہوئی۔ اس خیال کے ساتھ ہی انھیں احساس ہوا کہ ان کی تیس برس کی نمازیں ضائع ہو گئیں، اب ان کا اعادہ کرنا چاہیے۔ یہ ایک دقیق آفت ہے ہر شخص اس کو سمجھنے کا اہل بھی نہیں ہے۔ بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ اعمال اس قسم کی آفتوں سے محفوظ رہیں، اور بہت کم لوگ ایسے ہوتے ہیں جو ان آفتوں سے محفوظ ہو جائیں۔ صرف وہی لوگ آگاہ ہو پاتے ہیں، اور سلامتی کی تدبیر کرتے ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ اس کی توفیق عطا کرتا ہے، غافل دیکھیں گے کہ آخرت میں ان کی تمام نیکیاں گناہوں کا پیکر اختیار کر چکی ہیں۔ قرآن کریم کی ان آیات میں یہی لوگ مراد ہیں:

وَ بَدَالَهُمْ مِنَ اللّٰهِ مَا لَمْ تَكُوْنُوْ ايَحْتَسِبُوْنَ

اور خدا کی طرف سے ان کو وہ معاملہ پیش آئے گا جس کا ان کو گمان بھی نہ تھا۔

وَبَدَالَهُمْ سَيِّئَاتِ مَا كَسَبُوْا (اور اس وقت ان پر ان کے تمام برے اعمال ظاہر ہو جائیں گے)

قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا الَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِى الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَ هُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا

آپ ؐ کہیے کہ کیا ہم تم کو ایسے لوگ بتائیں جو اعمال کے اعتبار سے بالکل خسارے میں ہیں، یہ لوگ ہیں جن کی دنیا میں کرائی محنت سب گئی گذری ہوئی اور وہ اسی خیال میں ہیں کہ اچھا کام کر رہے ہیں۔

اس فتنے کا سب سے بڑا نشانہ علماء بنتے ہیں، اس لیے کہ اکثر علماء دین کی اشاعت اس لیے کرتے ہیں کہ انھیں دوسروں پر برتری میں لذت ملتی ہے، اقتدار اور پیروی میں خوشی ہے، اور تعریف وتوصیف سے دل بلیوں اچھلتا ہے۔ شیطان ان پر یہ معاملہ ملتبس کر دیتا ہے، اور یہ کہتا ہے کہ تمہارا مقصد اللہ کے دین کی اشاعت اور اس شریعت کا دفاع ہے جو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی ہے۔ بہت سے واعظ ایسے بھی نظر آتے ہیں جو مخلوق کی اصلاح کرنے اور بادشاہوں کو وعظ ونصیحت کرنے کے عمل کو اپنا احسان تصور کرتے ہیں، اور جب لوگ ان کی بات سن لیتے ہیں یا ان کی نصیحت پر عمل کرتے ہیں تو خوشی سے پھولے نہیں سماتے۔ ان کا دعویٰ یہ ہوتا ہے کہ وہ اس لیے خوش ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں اپنے دین کی نصرت اور تائید کے لیے منتخب کیا ہے، اور اصلاح خلق کی توفیق دی ہے۔ حالانکہ ان کا حال یہ ہے کہ اگر اللہ کے سادہ لوح بندے اس کے بجائے اسی جیسے کسی دوسرے عالم کے پاس چلے جائیں، اور اس سے استفادہ کریں تو حسد اور غم انھیں ہلاک کر ڈالے، حالانکہ اگر ان کا مقصد محض وعظ ونصیحت ہوتا تو وہ لوگوں کے اس رجحان پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے کہ اس نے یہ ذمہ داری دوسروں کے سپرد کر کے ایک بڑی مشقت سے بچالیا ہے، اور ایک نازک اور پر خطر فریضے سے محفوظ رکھا ہے۔ شیطان اس وقت بھی اس کا پیچھا نہیں چھوڑتا اور یہ کہتا ہے کہ تو اس لیے غمگین نہیں کہ مخلوق خدا تیرے بجائے کسی اور عالم کی طرف رجوع کیے ہوئے ہے، بلکہ تیرے غم کی اصل وجہ یہ ہے کہ تو اس طرح اشاعت دین، حفاظت علم، اور اصلاح مخلوق کے اجر وثواب سے محروم رہ گیا ہے، اس بیچارے کو معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر سر تسلیم خم کرنے میں اس سے کہیں زیادہ اجر وثواب ہے جو مخلوق کی رہنمائی میں اسے حاصل ہوتا۔ اگر اس طرح کے معاملات میں غم کرنا محمود ہوتا تو جس وقت حضرت ابوبکرؓ نے بار خلافت سنبھالا تھا حضرت عمرؓ کو ضرور غم ہونا چاہئے تھا، اس لیے کہ تمام مسلمانوں کا امام بننا، اور ان کے دین و دنیا کے امور کا متکفل ہونا ایک بڑا کار خیر، اور زبردست سعادت ہے، اس کے برعکس حضرت عمرؓ کو اس واقعے سے بڑی خوشی ہوئی کہ حضرت ابوبکرؓ نے بار امامت اپنے کاندھوں پر اٹھایا، اور وہی اس کے مستحق بھی تھے، اور حضرت عمرؓ ابن الخطاب کا ارشاد ہے کہ اگر میری گردن کٹوا دی جائے تو یہ میرے نزدیک ایسی قوم کا امیر بننے سے بہتر ہے جس میں حضرت ابوبکرؓ ہوں۔

آجکل کے علماء کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ اس طرح کے واقعات سے خوش نہیں ہوتے۔ بعض اہل علم شیطان کے اس فریب میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ اگر ہم سے افضل کوئی شخص ہوگا تو ہم بھی خوش ہوں گے، یہ محض

دعویٰ ہے، جب عملی شکل میں اس دعوے کی آزمائش کی جاتی ہے تو یہ لوگ نا کام رہ جاتے ہیں، اور ان کا عمل دعوے کے مطابق نہیں ہو پاتا، دراصل انسان بہت جلد اپنے وعدے اور دعوے فراموش کرنے والا ہے، صرف وہی لوگ اس آزمائش میں ثابت قدم رہتے ہیں جو شیطان اور نفس کے مکر سے واقف ہوتے ہیں، اور نفس کا امتحان کرتے رہتے ہیں۔

بہرحال اخلاص کی حقیقت جاننا اور اس پر عمل کرنا ایک گہرا سمندر ہے، اس میں اکثر لوگ غرق ہو جاتے ہیں، شاذ و نادر ہی بچ پاتے ہیں، اور یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جن کا اس آیت میں استثناء کیا گیا ہے،

اِلَّا عِبَادَکَ مِنۡهُمُ الۡمُخۡلَصِيۡنَ (بجز آپ کے ان بندوں کے جو ان میں منتخب کیے گئے ہیں۔)

بندے کو چاہئے کہ وہ ان دقیق امور پر گہری نظر رکھے، ایسا نہ ہو کہ غفلت میں شیطان کا متبع بن جائے۔ (احیاء العلوم۔ جلد ۴)

☆☆☆☆☆

مولانا اشرف خان سلیمانیؒ بزبان مولانا حسن جان صاحب

خانقاہ پوڑہ کے بیان میں حضرت مولانا حسن جان صاحب نے فرمایا کہ ایک مرتبہ کسی کے ہاں حضرت مولانا فقیر محمد صاحب، حضرت مولانا محمد اشرف صاحب اور حضرت مولانا حسن جان صاحب کی شام کے کھانے کی ضیافت تھی۔ حضرت مولانا اشرف صاحب بوجہ بدنی معذوری کافی دیر میں وضو فرما سکتے تھے اس لیے انھیں ضیافت پر پہنچنے میں دیر ہوئی۔ حسن جان صاحب فرماتے ہیں کہ ہم انتظار کر رہے تھے کہ اتنے میں حسن جان صاحب نے کہا کہ انھیں (مولانا اشرف صاحب) کو جلدی پہنچنا چاہئے تھا۔ اتنی بات کہنی تھی کہ سر میں درد ہوا جو رات کو بھی جاری رہا اور دوسرے دن بھی جاری رہا۔ اس پر خیال ہوا کہ اللہ والوں کے بارے میں ایسی بات نہیں کہنی چاہئے۔

اس کے بعد حسن جان صاحب نے فرمایا کہ لوگ کہتے ہیں کہ ایک بزرگ شیر پر سوار سانپ کا کوڑا ہاتھ میں لیے ہوئے تھے۔ اس پر فرمایا کہ اس سے زیادہ کرامت یہ ہے کہ میں نے ایک بزرگ (مولانا اشرف صاحب) کو گریڈ بیس کے افسر کی پیٹھ پر سواری کرتے ہوئے دیکھا۔ مزید فرمایا کہ حضرت مولانا اشرف صاحب کی بیماریاں اور معذوریاں اور اس کے ساتھ اعمال کی استقامت اور پابندی کو دیکھ کر مجھے ان کی بزرگی میں ذرا شک و شبہ محسوس نہیں ہوتا تھا۔

کتابت حدیث (قسط نمبر ۲)

عہد نبوّت کا تحریری سرمایہ:

ایک اہم سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ عہد نبوت ﷺ اور دورِ صحابہؓ میں کس قدر احادیث کا سرمایہ تحریری شکل میں آچکا تھا؟ اگر غور وفکر و تحقیق و جستجو سے کام لیا جائے تو یہ حقیقت بالکل واضح ہو جائے گی کہ حدیث نبوی ﷺ کی اشاعت جس طرح تواتر علمی و روایت دونوں ذریعوں سے مسلسل ہوتی رہی ہے اسی طرح آج ہمارے پاس جو حدیث کا سرمایہ منتقل ہوتا چلا آرہا ہے، اس کا غالب ترین حصہ دورِ نبوت ﷺ ہی میں قلم بند ہو چکا تھا، حاکم صاحب مستدرک جو نفد روایت میں متساہل ہیں، وہ اپنے تلاش و جستجو کے مطابق بیان کرتے ہیں کہ اعلیٰ درجے کی حدیثوں کی تعداد تقریباً دس ہزار ہے انکے الفاظ یہ ہیں: **والاحادیث التی فی الدرجة الاولیٰ لا تبلغ عشرة** (توجیہ النظر ص ۹۳) یعنی اعلیٰ درجے کی حدیثوں کی تعداد دس ہزار تک نہیں پہنچ پاتی۔

ہر طرح کی روایت جو مسانید و جوامع، سنن و معاجم اور فوائد و رسائل میں موجود ہیں، ان کی تعداد پچاس ہزار سے بھی کم ہے. (توجیہ النظر ص ۹۳) ان تمام کتابوں سے چھان بین کر جو تعداد حاکم نے اعلیٰ درجے کی حدیثوں کی پیش کی ہے، اس کے ساتھ ساتھ حضرت ابو ہریرہؓ کے اس بیان کو بھی سامنے رکھئے کہ عبداللہؓ بن عمرو بن العاص کو مجھ سے زیادہ حدیثیں اس لئے یاد تھیں کہ وہ لکھتے تھے اور میں نہ لکھتا تھا، محدثین لکھتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیثوں کی تعداد پانچ ہزار تین سو چوہتر (۵۳۷۴) ہے، اس کا کھلا ہوا نتیجہ یہ ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص کی حدیثوں کی تعداد یقیناً پانچ ہزار تین سو چوہتر (۵۳۷۴) سے زائد ہونی چاہئیے، جو قید تحریر میں آچکی تھیں، حضرت عبداللہؓ بن عمرو کے علاوہ دیگر صحابہؓ کے نوشتے اور خود آنحضرت ﷺ کے سیکڑوں احکامات و ہدایت جو آپؐ نے املا کرائے تھے، ان سب کی مجموعی تعداد اگر جوڑ لی جائے تو اس میں شک کی گنجائش نہیں رہتی کہ دس ہزار سے زیادہ حدیثیں دورِ نبوی ﷺ اور عہد نبوی ﷺ میں کتابی شکل اختیار کر چکی تھیں۔

البتہ ایک شبہہ یہاں یہ پیدا ہو سکتا ہے کہ جہاں حفاظ حدیث کی روایت کی تعداد ذکر کی جاتی ہے، وہاں ان کی تعداد بہت زائد بتائی گئی، مثلاً کہا جاتا ہے کہ امام احمد بن حنبل کو سات لاکھ سے زائد قابل اعتماد حدیثوں کا حصہ محفوظ تھا، حافظ ابو زرعہ رازی کی حدیثوں کی تعداد سات لاکھ بتائی گئی، امام بخاری فرماتے ہیں کہ مجھے ایک لاکھ صحیح اور دو لاکھ غیر صحیح حدیثیں یاد ہیں، امام مسلم کا دعوٰے ہے کہ میں نے اس جامع صحیح کو تین

لاکھ حدیثوں سے منتخب کیا ہے، حافظ ابن الجوزی ان اعداد کو نقل کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں۔" **ان المراد بھذا العدد الطرق لا المتون** " یعنی ان اعداد سے مراد حدیثوں کے متون نہیں بلکہ طرق واسانید مراد ہیں، مثلاً ایک ہی حدیث کو کسی شخص نے دس شاگردوں سے بیان کیا تو محدثین کی اصطلاح میں اس کے دس طرق ودس اسانید ہوگئے، اور ایک کے بجائے ان مختلف طریقوں سے اس کا شمار کیا جائے گا، جیسے " **انما الاعمال بالنیات** " کی حدیث سات سو (۷۰۰) طریقوں سے روایت کی گئی ہے اس لئے اس ایک حدیث کی تعداد سات سو (۷۰۰) ہو جاتی ہے، یہی حال اکثر وبیشتر حدیثوں کا ہے، صحیح بخاری جس کے غیر مکرر روایات کی تعداد دو ہزار چھ سو دو (۲۶۰۲) اور صحیح مسلم کی چار ہزار (۴۰۰۰) ہے ان دونوں کتابوں کی اکثر روایات میں اشتراک بھی ہے، محدث جوزقی نے ان دونوں کتابوں کی احادیث کا استخراج دیگر کتب سے کیا تو اسانید کی تعداد پچیس ہزار چار سو اسّی (۲۵۴۸۰) ہوگئی.

اس کے ساتھ یہ بھی یاد رہے کہ صحابہ کرامؓ کے اقوال وفتاوے بلکہ تابعین وتبع تابعین کی چیزوں کو بھی لوگوں نے حدیث کے نیچے درج کیا، اس لئے بھی قدرتاً حدیثوں کی تعداد بڑھ جاتی ہے (توجیہ النظر ص ۹۳)

تابعینؒ اور کتابت حدیث:

ایک غلط فہمی یہ پیدا کی جارہی ہے کہ احادیث کی تدوین وتحریر کا کام تابعین نے شروع کیا اور تابعین ان کو کہتے ہیں جنھوں نے صحابہ کو دیکھا اور ان سے فیض پایا، اور صحابہ کا زمانہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تقریباً سو سال تک رہا، گویا تابعین کا عہد سو سال بعد شروع ہوا، اس طرح تدوین وتحریر کے سلسلہ کا آغاز سو سال بعد ہوا، حالانکہ یہ تمام تر غلط ہے۔ تابعین ان کو کہتے ہیں جنھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا شرف حاصل نہیں کیا اور صحابہ کی زیارت کی اور ان سے مستفید ہوئے عام اس سے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے ہوں اور زیارت کا موقع نہیں ملا، یا عہد نبوی کے اخیر میں پیدا ہوئے اس لیے آپؐ سے فیض یاب نہیں ہوسکے یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات (ربیع الاول ۱۱ھ) کے بعد پیدا ہوئے، وہ سب تابعین میں داخل ہیں۔ اس طرح دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ تابعین کا عہد آپؐ کی زندگی ہی میں اور کم سے کم یہ کہ ۱۱ھ سے شروع ہوگیا تھا، اس لیے ۱۱ھ سے جو کام شروع ہوا، اس کے متعلق یہ کہہ سکتے ہیں کہ تابعین نے اس کام کا آغاز کیا۔ تابعین کا کارنامہ ہونے کے لیے ایک ایک صحابیؓ کے دنیا سے رخصت ہو جانے کی ضرورت نہیں اور نہ ہی سو برس کا زمانہ گزارنے کی حاجت ہے، وہ تو تابعیت کا آخری عہد ہے جس کے بعد تابعیت کے شرف کا

خاتمہ ہوتا ہے کیونکہ یہی صحابہ کے عہد کا خاتمہ ہے، جن کے دیدار سے تابعی بنتے تھے۔ الغرض اس تفصیل سے یہ ثابت ہوا کہ یہ کہنا کس درجہ کا دھوکا ہے کہ مسلمانوں میں احادیث کی تدوین و تحریر کا کام سو برس بعد شروع ہوا۔ بلکہ تابعین کے ذریعے کتابت حدیث کو اور زیادہ رواج ہوا، اب ہم یہاں ان کے بعض نوشتوں کا تذکرہ کرتے ہیں۔

(۱) حضرت ابو ہریرہؓ کے مشہور شاگرد بشیر بن نہیک نے ایک نسخہ خود ان کی حدیثون کا تیار کر کے ان کو پڑھ کر سنایا تھا۔ روایت کے الفاظ یہ ہیں، **عن بشیر بن نہیک قال کنت اکتب ما سمع من ابی ہریرہؓ فلما اردت ان افارقه اتیته بکتابته فقرأت علیه و قلت اھذا ما سمعت منک قال نعم**۔ میں حضرت ابو ہریرہؓ سے جو حدیثیں سنتا تھا لکھ لیتا تھا، پھر جب میں نے ان سے رخصت ہونے کا ارادہ کیا تو اس کتاب کو لے کر ان کی خدمت میں حاضر ہوا، اس کو ان کے سامنے پڑھ کر سنایا اور پھر ان سے عرض کیا کہ یہ سب وہی حدیثیں ہیں جو آپ سے میں نے سنی ہیں، فرمانے لگے ''ہاں''۔

(۲) حضرت ابو ہریرہؓ کے دوسرے شاگرد ہمام بن منبہ ہیں جو یمن کے امراء میں سے تھے، ایک زمانے تک ان کی خدمت میں رہے، اور ان کی حدیثوں کو جمع کیا جو صحیفہ ہمام کے نام سے مشہور ہے، امام احمد بن حنبلؒ نے اس کتاب کا بہت بڑا حصہ اپنی مسند میں داخل کر دیا ہے، شیخین (امام بخاریؒ و امام مسلمؒ) نے بھی متفرق طور پر اس سے روایت کیا ہے، آج یہ صحیفہ حیدر آباد سے چھپ کر منظر عام پر آ چکا ہے۔

(۳) سعید بن جبیر مشہور تابعی فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابن عباسؓ کے پاس بیٹھا ہوا صحیفہ لکھتا رہتا تھا۔

(۴) سنن دارمی میں مسلم بن قیس کا بیان مذکور ہے۔ **رأیت ابان یکتب عند انس**۔ (میں نے ابان کو دیکھا کی حضرت انسؓ کے پاس بیٹھے لکھ رہے ہیں)۔

(۵) عمرہ بنت عبدالرحمٰن جنہوں نے حضرت عائشہؓ کی گود میں پرورش پائی تھی، اور حدیث عائشہؓ کے باب میں ان کا شمار تقریبا عروہ کے برابر ہے، ان ہی عمرہ بنت عبدالرحمٰن کے علم کو ان کی بہن کے لڑکے ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کے مشہور فرمان کی بنیاد پر جمع کر لیا تھا۔ حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں **ان یکتب له فی العلم ماعنده من عمرة بنت عبدالرحمن و القاسم بن محمد**۔ یہ کہ وہ عمرہ بنت عبدالرحمٰن اور قاسم بن محمد کے علم (احادیث) کو ان کے لیے تیار کریں۔

قاسم بن محمد حضرت صدیقہؓ کے بھتیجے تھے،ان کے پروردہ وتربیت یافتہ تھے،جنھوں نے سب کچھ ان سے سیکھا تھا۔بہرحال حضرت عائشہؓ کی احادیث ان ہی دونوں کے ذریعے ابوبکر بن محمد نے جمع کیں۔

ہم نے تابعین کی چند تحریروں اور صحیفوں کے ذکر پر اکتفا کیا ورنہ یہ حضرات مختلف شہروں میں پھیلے ہوئے تھے،انھوں نے صحابہ کی زندگی ہی میں ان کی تمام مرویات وواقعات وحالات کوایک ایک سے پوچھ کر ،ایک ایک کے دروازہ پر جاکر بوڑھے،جوان،عورت ومرد ہر ایک سے تحقیق کر کے ہمارے لیے فراہم کر دیا تھا۔محمد بن شہاب زہری جو حدیث وسیرت کے بڑے امام ہیں انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایک چیز کو لکھا۔ابوزناد کہتے ہیں کہ ہم صرف حلال وحرام لکھتے رہتے تھے،زہری جو کچھ سنتے تھے وہ سب لکھتے جاتے تھے۔احادیث کو ضبط تحریر میں لانے والے سینکڑوں تابعین تھے جن میں صرف امام زہری کی تحریروں کا اتنا انبار تھا کہ ولید بن یزید کے قتل کے بعد زہری کے یہ دفتر جانوروں پر لاد کر خزانہ سے لائے گئے تھے۔

اگر چہ حفاظت حدیث کے لیے کتابت وحفظ دونوں طریقوں کو اختیار کیا گیا تھا مگر پہلی صدی تک علماء عام طور پر کتابت کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتے تھے بلکہ جو کچھ لکھتے تھے اس سے مقصود زبانی یاد کرنا ہوتا تھا۔

امام مالک سلف یعنی بہت سے تابعین کا یہ دستور بیان کرتے ہیں کہ ان میں بعض لوگ حدیثوں کو یاد کرتے تھے اور جب یاد ہو جاتی تھیں تو مٹا دیتے تھے۔یہ دستور ایک زمانے تک رہا۔محمد بن سیرین کے حالات میں لکھا ہے کہ ان کا بھی قاعدہ تھا کہ حدیثوں کو لکھ لیتے تھے،**فاذا حفظه محاه** یعنی جب یاد کر لیتے تھے تو مٹا دیتے تھے،اس کی وجہ یہی ہے کہ عربوں کا حافظہ فطرۃً نہایت ہی قوی تھا،علامہ ذہبی نے ابن خزیمہ کے متعلق یہ الفاظ ابوعلی نیشاپوری کے حوالہ سے نقل کیے ہیں کہ ” **كان ابن خزيمه يحفظ الفقهيات من حديثه كما نحفظ القراٰن**“ فقہی حدیثوں کو ابن خزیمہ اسی طرح یاد کرتے تھے جیسے کہ قاری قرآنی سورتوں کو یاد کرتا ہے۔

قتادہ تابعی فرماتے ہیں کہ ”**اعطى الله هذا لامة من الحفظ ما لم يعط احدا من الامم خاصة خصهم بها و كرامة اكرمهم بها**“ یعنی حق تعالیٰ شانہ نے اس امت (امت محمدیہ) کو حفظ و یادداشت کی غیر معمولی قوت سے سرفراز فرمایا ہے کہ دنیا کی قوموں اور امتوں کے درمیان (امت اسلامیہ) کا یہ خاص امتیازی سرمایہ ہے جس کے ساتھ خدا نے اس کو مختص کیا اور یہ نوازش ہے جس کے ذریعے نوازا گیا۔

(ماخوذ از: محدثین عظام اور ان کے علمی کارنامے)

تقریر، حسین احمد مدنیؒ

بیعت کی شرعی حیثیت (قسط نمبر۲)

کھانا پکانے کی مثال:

اگر آپ نے کسی کو روٹی پکانے کے لیے مقرر کیا تو اب روٹی پکانے کا حکم دینے سے یہ معنی ہوں گے کہ تو آگ بھی جلا، لکڑی بھی لا، چولہا بھی لا، توا بھی لا، سب چیزوں کو مہیا کر، اگر کسی جگہ لکڑی نہیں ملے تو کوئلہ لا، کسی جگہ یہ نہیں ملے تو اُپلوں کو استعمال کیا جائے گا، غرض یہ کہ جس چیز پر روٹی پکانا موقوف ہو اسی کا امر ہوگا، تو اسی طرح سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں احسان کے حاصل کرنے کے لیے زنگ کم ہونے کی وجہ سے ان اذکار کی ضرورت نہیں تھی، آج ہم کو ہمارے تجربہ کار مرشدوں نے بتلایا کہ اس طرح سے کرو، اب آپ کہیں کہ اس طرح کا ذکر کرنا بدعت ہے تو یہ غلط فہمی ہے۔

ذکرُ اللہ کا حکم قرآن میں:

اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ذکر کرنے کا حکم دیا، ایک جگہ نہیں دو جگہ نہیں، ذکر کرنے کی بڑی تاکید فرمائی **فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ.** حکم دیا گیا کہ نماز کے بعد ذکر کرو کھڑے، بیٹھے بیٹھے، اور کروٹوں پر لیٹے ہوئے، کوئی حد اور قید نہیں لگائی گئی، ذکر کرو لفظ اللہ کا، یا **لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ** کا یا **سُبْحَانَ اللّٰه** کا ضرب کے ساتھ کرو یا بلا ضرب کرو۔ قرآن شریف میں فرمایا گیا: **يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا** (اے ایمان والو اللہ کا بہت ذکر کرو۔) فرمایا جاتا ہے **فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنَ** (تم میرا ذکر کرو میں تم کو ذکر کروں گا تم کو یاد کروں گا تم مجھ کو یاد کرو۔) تو کوئی قید نہیں لگائی گئی، کس طرح سے ذکر کیا جائے، مطلقاً ذکر کرنے کا حکم دیا گیا۔ اب اگر ہم نے، ہمارے بڑوں نے، تجربہ کار لوگوں نے، یہ کہا کہ ذکر کرو سانس کے ساتھ، ذکر کرو دل میں دل کے ساتھ، روح کا ذکر، سر کا ذکر، خفی کا ذکر، تو یہ کوئی چیز بھی بدعت نہیں ہوگی، کیونکہ مطلقاً جیسے حکم دیا گیا تھا جہاد کرنے کا کہ دشمن کی طاقت کو کمزور کرنے کے لیے اسلام کی ہیبت کو بٹھلانے کے واسطے جہاد کرو۔ **وَ اَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّ مِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ** چاہے تلوار سے ہو، چاہے تیر سے ہو، چاہے توپوں سے ہو، چاہے مشین گن سے ہو، جس طریقہ سے تم اس بات کو انجام دے سکو، جیسے کہ ہم کو قرآن کی تلاوت کا حکم دیا گیا چاہے زیر زبر سے یا اس کے طبع کرنے سے، چھاپنے سے، لکھنے سے عکسی قرآن بنانے سے، یہ جتنی چیزیں ہیں سب کی سب حکم کے اندر ہی آتی ہیں۔

سفرِ حج کی مثال:

ہم کو حج کرنے کا حکم دیا گیا ہے، حج کرنے کے لیے پہلے زمانہ میں اونٹوں کی ضرورت پڑتی تھی آج ہم کو موٹروں سے نہیں بلکہ جہازوں سے سفر کرنا پڑتا ہے، وہاں جا کر کے موٹروں سے، لاریوں سے، بسوں سے سفر کرنا پڑتا ہے، تو اب اگر کوئی بیوقوف شخص کہتا ہے کہ ہم تو ہندوستان سے حج کے لیے جائیں گے اونٹ ہی کے اوپر سوار ہو کر، تو بتلایئے کہ حج کو ہم ادا کر سکیں گے؟ ہمیں جدہ پہنچنے کے بعد اسی طرح سے لاریوں کے بغیر ،موٹروں کے بغیر جانا مشکل ہے بسا اوقات ممکن نہیں، تو چونکہ مقصد بیت اللہ کی حاضری ہے، جس طریقہ پر وہاں حاضر ہونا ممکن ہو وہی فرض ہوگا، کوئی چیز بدعت نہیں قرار دی جائے گی۔ مقصد وہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا، حکم دیا تھا، مقصد میں کوئی تغیر نہیں ہے، زمانہ کی ضرورتوں کی حیثیت سے وسیلوں میں فرق پڑ گیا، ذریعوں میں فرق پڑ گیا۔ تو میرے بزرگو! آج یہ کہنا کہ سلوک میں، تصوف میں جو باتیں ذکر کی گئی ہیں وہ بدعت ہیں تو یہ غلط ہے بلکہ وہ سب کی سب مامور بہ ہیں اور حکم کے اندر ہیں۔ تو تصوف کے اندر اصلی مقصد احسان کو حاصل کرنا ہے، احسان کے حاصل کرنے کے لیے جو طریقے خلافِ شریعت نہیں ہیں جب عمل میں لائے جائیں گے تو وہی شریعت کا حکم ہوگا۔

غیر شرعی اسباب اختیار کرنے کی ممانعت:

ہاں اگر کوئی ایسا طریقہ کرتا ہے، ایک شخص کہتا ہے کہ مجھ کو تو اللہ تک پہنچنے کے واسطے قوالی چاہیے، ڈھول چاہیے، مجرا چاہیے، ڈوم گانے والے چاہئیں، یہ ایسی چیزیں وہ اختیار کرتا ہے جو کہ شریعت کے خلاف ہیں، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور صحابۂ کرامؓ نے ان چیزوں کی ممانعت کی ہے، وہ تو یقیناً غلط ہے۔ لیکن جو چیزیں ممانعت کی نہیں ہیں وہ تو اصلی سنت میں داخل ہیں۔ اب بیعت کے متعلق یہ خیال کرنا کہ یہ خلافِ شریعت ہے بالکل غلط ہے، بیعت میں جیسا کہ میں نے عرض کیا اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ **یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُو اللّٰهَ وَ ابْتَغُوْٓا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ.** وسیلہ اسی چیز کو کہتے ہیں کہ جس کے ذریعہ سے کوئی کامیابی ہو سکے، جو شخص واقف ہے کسی راستے کا اس کو ساتھ لینا سفر کرنے کے لیے ضروری ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سفرِ ہجرت:

آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کو ہجرت کرتے ہیں تو عبداللہ ابن اریقط الایلی جو کہ کافر تھا مگر راستہ سے واقف تھا اس کو ساتھ لیتے ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے پہلے سے دو

سانڈنیاں، دواونٹنیاں جونہایت مضبوط تھیں خریدلیں، عبداللہ ابن ارلقیط جوکہ راستہ کا بڑا ماہر تھا اس کے پاس رکھا اور کہا کہ ان اونٹنیوں کو اچھے سے اچھا چارہ کھلاؤ اور ہم کو جب ضرورت ہوگی اپنے سفر کے واسطے ان اونٹنیوں کو لیں گے اور تجھ کو ساتھ لیکر کے سفر کریں گے۔اب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہجرت کرنے کے لیے رہبر کی ضرورت پڑی، رہنما کی، راہ دکھلانے والے کی ضرورت پڑی، بغیر راہ دکھلانے والے کے دنیا کا سفر اور اپنے ہی ملک کا سفر ممکن نہ ہوا، تو اس واسطے وہی وسیلہ جس کو یہاں فرمایا گیا وَابْتَغُوْا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ. جس سے تم وسیلۂ توسل کرسکو اس کے ذریعے سے کامیاب ہوسکو اس کو تلاش کرو۔

مرشد راستہ سے واقف اور تجربہ کار ہو:

مرشد کو مرشد اسی واسطے کہا جاتا ہے کہ وہ راستہ دکھلانے والا ہے، ارشاد کرنے والا ہے، مگر ہر لنگڑے لولے کو راستہ میں مرشد نہیں لیا جاتا۔ راہنمائی کے واسطے صحیح سالم، واقف کار، تجربہ کار کو لیا جاتا ہے، تو اس واسطے فرمایا گیا يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ سچوں کے ساتھ رہو، ہاں بعضے لوگوں کو یہ شُبہ ہوتا ہے کہ بیعت کی ضرورت باقی نہیں ہے یہ سب غلط ہے، بیعت کا طریقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جاری کیا ہے اور وہ قرآن میں ہے، قرآن دلالت کرتا ہے،

بیعت کے فوائد۔۔۔حضرت سیّد احمد شہیدؒ کا فرمان:

حضرت سیّد احمد صاحب شہیدؒ جنہوں نے انگریزوں کے خلاف جہاد کیا تھا، ان کی کتاب ہے ''صراطِ مستقیم'' وہ بیعت کے فائدے بتلاتے ہوئے ذکر فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص کسی خدا کے برگزیدہ بندے کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہے تو اس برگزیدے بندے کی جوکہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں قبولیت اور عزت ہے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت اس شخص کی بھی کفالت کرتی ہے جو اس کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہے۔اللہ تعالیٰ کی رحمت اس کی وجاہت کی وجہ سے بیعت کرنے والے کی کفالت کرتے ہے اور دو طریقوں میں سے ایک طریقہ سے اس کی حفاظت کرتی ہے، اگر وہ شخص، وہ مرشد، اللہ تعالیٰ کے یہاں پر بہت بڑی عزت رکھتا ہے تو کبھی اس کو مطلع کردیا جاتا ہے، اگر اس کا مرید کسی گمراہی کے اند پھنس رہا ہے تو اللہ تعالیٰ پیر کو مطلع کردیتا ہے اور حکم دیتا ہے کہ اسکو فلانی خرابی سے نکالو، وہ مرشد تدبیریں کرکے اسکو نکالتا ہے، اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ خداوند کریم خود ہی اسکو، اس مرید کو خرابی نکالتا ہے اور کسی فرشتے کو حکم دے دیتا ہے یا کوئی روحانی (لطیفہ غیبی) مقرر کردیتا ہے اور وہ چیز مرشد کی صورت میں آکر اسکی حفاظت کا باعث بنتی ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ:

جیسے حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کا واقعہ ہوا۔ حضرت زلیخا رضی اللہ عنہا نے حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سات کوٹھڑیوں میں بند کر کے ان سے وصال چاہا، حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام پرہیز کرتے ہیں۔ قَالَ مَعَاذَاللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّىْٓ اَحْسَنَ مَثْوَاىَ ط اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ حضرت زلیخاؓ کو کہتے ہیں کہ معاذ اللہ میں اپنے مالک کی نافرمانی کروں، اسکی بیوی پر ہاتھ ڈالوں، اس نے میرے ساتھ بہت بڑے بڑے احسان کئے ہیں، میں جاہل نہیں ہوسکتا۔ مگر اس نے پیچھا کیا اور اس قدر پیچھے پڑی کہ قریب تھا کہ حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام مبتلا ہو جائیں، تو فرماتے ہیں۔

وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَ هَمَّ بِهَا لَوْ لَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ ط كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَاءَ ط اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ

تو اللہ تعالیٰ نے حفاظت کے واسطے حضرت جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مقرر کیا، حضرت جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام سامنے سے حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام (والد) کی صورت میں آئے اور سامنے کھڑے ہو کر انگلی منہ میں دباتے ہیں اور اشارہ کرتے ہیں کہ خبردار! خبردار! اس میں مبتلا مت ہونا۔ حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خبر بھی نہیں مگر یہاں یہ معاملہ ہوا، حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کو روک دیا گیا، بچالیا گیا۔ تو حضرت سید احمد صاحبؒ فرماتے ہیں کہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کسی کامل کے ہاتھ پر بیعت کرنے والا کسی گمراہی کے اندر پھنسنے والا ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی لطیفہ سے، کسی روحانیت سے، کسی فرشتے کے ذریعے سے حفاظت کی جاتی ہے، ایسے طریقہ سے کہ جو مرشد کے ساتھ تعلق رکھتا ہو۔

سچوں کا ساتھ:

تو بیعت کے فوائد بہت زیادہ ہیں، قرآن میں کہا ہے: كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ (سچوں کے ساتھ ہو) آپ دیکھتے ہیں کہ کسی پارٹی میں جب آدمی داخل ہو جاتا ہے دنیا میں تو پارٹی کے جتنے ممبر ہوتے ہیں ان سب کو اسکے ساتھ کچھ تعلق ہو جاتا ہے اور اس کی وجہ سے وہ ہمدردی رکھتے ہیں، دنیا میں جو کہ اصحابِ خیر ہوں ان کے یہاں بھی یہی طریقہ ہے اور آخرت والے خدا کے سچے بندے جن کو دنیاوی غرض نہیں ان میں یہ بات بہت اونچی ہے، تو اگر کسی اللہ کے مقبول بندے کے ہاتھ پر بیعت ہوئے، کسی صحیح طریقہ والے سے بیعت ہونے سے اس طریقہ کے جو مقدس لوگ ہیں خواہ دنیا میں ہوں، خواہ آخرت میں ہوں، گذر چکے ہوں ان سب

کو ہمدردی ہو جاتی ہے، دعا بھی کرتے ہیں، اور وہ اپنی ہمت سے خبر گیری بھی کرتے ہیں۔

تو میرے بھائیو! نہ تو بیعت بدعت چیز ہے اور نہ طریقت بدعت چیز ہے، نہ طریقت شریعت سے جدا ہے بلکہ طریقت شریعت کی خادم ہے۔ جو شریعت نے احسان کا حکم دیا تھا، اسکی تکمیل کے واسطے بڑے بڑے مقدس بزرگوں نے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ اور ان سے پہلے حضرت جنید بغدادیؒ، شیخ شہابُ الدین سہروردیؒ، ان بزرگوں نے جن کے اندر ذرہ برابر بھی خلافِ شریعت کوئی بات نہیں تھی انہوں نے وہ طریقے جن کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کی تابعداری، اللہ تعالیٰ کی رضا، اُس کی خوشنودی حاصل ہو سکتی ہے وہ طریقے جاری کیے اور ان سے مقصد فقط خدا کی قربت حاصل کرنا، خدا کی رضا حاصل کرنا ہے کوئی چیز ذرہ برابر اس میں شریعت کے خلاف نہیں۔

کھوٹے اور کھرے:

مگر جیسے ہر جماعت کے اندر کھوٹے اور کھرے ہوتے ہیں اسی طرح سے اس جماعت میں بھی کھوٹے داخل ہو گئے ہیں جنکا مقصد اپنی خواہشوں کو پورا کرنا، دین کو جال بنا کر دنیا حاصل کرنا ہے۔ ہر زمانے میں ایسے ہوتے رہے ہیں اور ہر جماعت میں ایسے ہوتے ہیں ایسوں کی برائی کی وجہ سے اس فن کے اندر برائی نہیں پیدا ہوتی، ہاں اسی واسطے مولانا روم نے فرمایا کہ

ے اے بسا اِبلیس آدم روئے ہست
پس بہ ہردستے نہ باید داو دست

(اے بھائی بعض اوقات شیطان آدمی کے روپ میں ہوتا ہے اس لیے ہر کسی کے ہاتھ میں ہاتھ نہیں دینا چاہئے۔)

بسا اوقات شیطان آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بھیس میں آئے گا تم کو سوچنا چاہیے، سمجھنا چاہیے، مقدمہ تمہارا سرکاری ہوتا ہے تو ہر وکیل کو وکیل نہیں بناتے آپ سوچتے ہیں، ہر ڈاکٹر کو اپنا معالج نہیں بناتے ہر حکیم کے پاس علاج کے لیے نہیں جاتے بلکہ آپ سوچتے ہیں، سمجھتے ہیں، دیکھتے ہیں کون حکیم قابل ہے اس کے پاس جائیں۔ دنیا میں بھی یہ معاملہ ہے اور اللہ کی رضا و خوشنودی یا آخرت کے واسطے جو بھی ملا اُس کے ہاتھ پر بیعت ہو گئے چاہے اچھا ہو برا ہو، نماز کا پابند نہیں، روزہ کا پابند نہیں، شریعت کا پابند نہیں، بیعت کرتا ہے عورتوں کی بے پردگی کے ساتھ، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مردوں کی جو بیعت کرتے تھے تو ہاتھ میں ہاتھ رکھ کر کے یا بڑا مجمع

ہوا تو کپڑا پکڑا کر۔

عورتوں سے بیعت کا طریقہ:

مگر عورتوں کی بیعت کبھی ہاتھ سے ہاتھ ملا کر کے نہیں کی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں بخاری میں یہ روایت کئی جگہ آئی ہے کہ:۔

وَاللّٰہِ مَا مَسَّتْ یَدُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَدَ اِمْرَاَۃٍ قَطُّ اِنَّما بَـا یَعَھُنَّ بِالْقَوْلِ. او کما قال. حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ خدا کی قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ کسی عورت کے ہاتھ سے بیعت کرنے کے وقت چھوا نہیں گیا، پردہ سے، باہر سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیعت کرتے تھے زبان سے، یا کپڑا دے دیا گیا۔ آقائے نامدار علیہ الصلوٰۃ السلام سے بڑھ کر متقی پرہیزگار کون ہوسکتا ہے؟ آقائے نامدار علیہ الصلوٰۃ السلام تو کسی اجنبی عورت کو سامنے نہ کریں، ہاتھ سے ہاتھ نہ ملائیں اور بیعت اِس طرح سے کریں، مگر آج یہ گمراہ شیطانی اثر والے لوگ عورتوں سے کہتے ہیں کہ ہمارے سامنے آؤ پردہ اٹھادو جب تک کہ ہم تمہارا چہرہ نہ دیکھ لیں قیامت میں محشر میں تم کو پہچانیں گے کیسے؟ تم تو ہماری بیٹیاں ہو، تم تو ہماری پوتیاں ہو، نواسیاں ہو ہم سے پردہ کیا؟ یہ تمام شیطانی کاروائیاں ہیں، سب کے آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تھے سب عورتیں انکی بیٹیاں ہیں قرآن شریف میں فرمایا گیا **وازوجـــہ امھـاتھـم** رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں تمام مومنین کی مائیں ہیں۔ جو آپ کی بیویاں ہیں وہ مائیں ہیں تو آپؐ باپ ہوئے، بعض قرأت میں ہے **وھـو ابـوھـم** مگر باوجود اس کے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو بے پردہ سامنے نہ آنے دیں اور ہاتھ سے ہاتھ نہ ملائیں، مگر آج ایسے غلط کار لوگ ہیں جو پردہ اُٹھاتے ہیں، بدن دبواتے ہیں، ہاتھ پیر دبواتے ہیں، تنہائی کے اندر جمع ہوتے ہیں، یہ سب کی سب غلط بات ہے، ناجائز بات ہے، جو شخص ایسا کرتا ہے وہ پیر نہیں شیطان ہے، ایسے پیروں سے بچنا چاہیے۔ تو اس واسطے سوچنے کی بات ہے۔ **اِتَّقُـوا اللّٰـہَ وَکُوْنُوْ مَعَ الصّٰادِقِیْن...... واتَّبِعْ سَبِیْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَیَّ** حکم دیا گیا کہ جو ہماری طرف دھیان رکھتا ہے، ہماری طرف لوٹتا ہے اس کے راستے پر چلو، اسی کو مولانا روم فرماتے ہیں ؎

اے بسا ابلیس آدم روئے هست
پس به هر دستے نه باید داد دست

بسا اوقات ابلیس آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بھیس میں آتا ہے تو تم کو سوچنا چاہیے ہر ہاتھ میں ہاتھ نہیں دینا

چاہیے، دنیا کے کام تو پرکھ پرکھ کر کے کرتے ہو، تجارت، مقدمہ بازی، علاج، اور جتنی چیزیں ہیں پرکھ پرکھ کر کرتے ہو مگر یہ کیسی بیوقوفی ہوتی ہے کہ کوئی آدمی ہو کسی کو جہاں سنا کہ یہ پیر صاحب ہیں بس وہاں جا کر کے بیعت کرنے لگیں، یہ غلط چیز ہے غلط راستے پر چلنے لگتے ہیں، سچوں کے ساتھ رہو۔

خدا کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت نہیں:

اور پھر جو کام کرو اس کے اندر یہ بھی دیکھ لو کہ یہ کام خلافِ شریعت تو نہیں، اگر اُس نے کہا کہ کسی بُت کو سجدہ کرو، کسی قبر کو سجدہ کرو، کسی خلافِ شریعت کام کا حکم کرے تو کوئی بھی ہو: لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِیْ مَعْصِیَةِ الْخَالِقِ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو ایک لشکر کا سردار بنایا اور لشکر کو جہاد کے لیے بھیجا اور کہا کہ اس سردار کی تابعداری کرنا، وہ ایک جگہ پہنچتا ہے، کچھ لوگوں نے اس سے مذاق کیا تو اس کو غصہ آگیا اس نے سب کو کہا کہ لکڑی جمع کرو، سب نے لکڑی جمع کی، کہا کہ اس میں آگ لگاؤ، اُس میں آگ بھی لگادی، اب ان لوگوں سے کہتا ہے کہ آگ میں کود جاؤ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم کو حکم دیا تھا کہ میری تابعداری کرنا، تو بعضے لوگوں نے ارادہ کیا کہ کود جائیں کیونکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تابعداری کا حکم دیا تھا، دوسرے لوگوں نے پکڑا اور کہا کہ ہم نے تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری آگ سے بچنے ہی کے واسطے کی ہے کیا آج ہم آگ میں ان کے حکم سے جائیں، اس میں کچھ کھینچا تانی ہوتی رہی، اتنے میں آگ بجھ گئی اور اس صحابیؓ کا جو سردار تھا غصہ جاتا رہا معاملہ رفع دفع ہوگیا، جہاد سے جب لوٹ کر آئے تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ واقعہ ذکر کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم دونوں پر بہت خفا ہوئے، سردار پر تو خفا ہوئے ہی، ان لوگوں پر بھی خفا ہوئے جو کودنے کا ارادہ کرتے تھے، آپؐ فرماتے ہیں کہ: لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِیْ مَعْصِیَةِ الْخَالِقِ اِنَّمَا الطَّاعَةُ فِی الْمَعْرُوْفِ کسی کی تابعداری اللہ کی نافرمانی میں نہیں ہے۔ سردار کی تابعداری کا حکم معروف میں، شریعت کے موافق باتوں میں ہے، ایسی بات میں کہ جو شریعت کے خلاف ہے کسی کی تابعداری نہیں۔ اگر مرشد کہتا ہے کہ تم بت کو سجدہ کرو، قبر کو سجدہ کرو تو ہرگز اس کی تابعداری نہیں، ایسے مرشد کو دفع کرنا چاہیے۔ وہ ایسی باتیں تلقین کرتا ہے جن کی جہ سے اس کے مرشد ہونے کو باقی نہ رکھا جائے، وہ تو شیطان ہے۔ تو آقائے نامدار علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے میں ایسا پیش آیا، بعضے بیوقوف کہتے ہیں کہ ؎

بمے سجادہ رنگین کن گرت پیرِ مغاں گوید

که سالك بے خبر نبود زراه و رسمِ منزلها

اس کے معنی غلط بیان کرتے ہیں ، اگر مرشد خلافِ شریعت کوئی بات حکم کرتا ہے صریح شریعت کے خلاف، تو ہرگز اسکی تابعداری نہیں۔ بہر حال بیعت کرنا امر شرعی ہے، اور سلوک جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری ہی کرنے کا نام ہے۔ اللہ کی رضا جوئی اور خوشنودی ہی حاصل کرنے کا نام ہے، جو کچھ کمال ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری میں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنا، آپؐ کے حکم پر چلنا اِسی میں نجات ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ: **لا یؤمن احدکم حتی اکون احب الیه من والده وولده والناس اجمعین: او کما قال علیه الصلوة والسلام......** تم میں سے کوئی کامل ایمان والا نہیں ہوسکتا، پورا مومن نہیں ہوسکتا، جب تک کہ میں اُس کو اس کے باپ سے، اُس کے بیٹے سے، تمام لوگوں سے زیادہ محبوب اور پیارا نہ ہو جاؤں۔۔۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت زیادہ سے زیادہ ہونی، تمام دنیا سے تمام خاندان سے بڑھی ہوئی ہونی ضروری ہے۔ آج ہم اپنی بیوقوفی کی وجہ سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا دعویٰ بھی کرتے ہیں اور پھر انکے طریقہ کو چھوڑتے بھی ہیں، اُن کی صورت سے ہم نفرت کرتے ہیں، ہم اُنکے دشمنوں کی صورت بناتے ہیں، لائیڈ جارج اور کرزن اور فرنچ فیشن لوگوں کی صورتیں بناتے ہیں، انکے فیشن کو اپنا فیشن بناتے ہیں داڑھیاں کترواتے ہیں، بال انگریزی فیشن کے، انگریزی طریقہ کے رکھتے ہیں، لباس ویسے پہنتے ہیں، کام ویسے کرتے ہیں، یہ انتہائی غلطی ہے اور اسکی وجہ سے خدا کی رحمت ہم سے دُور ہوتی ہے اور خدا کا غضب ہماری طرف متوجہ ہوتا ہے۔

میرے بھائیو! سمجھنا چاہیے غلط طریقہ پر نہ چلنا چاہیے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: **قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِىْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ.** .... اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں سے کہہ دو کہ اگر تم کو اللہ سے محبت ہے، اللہ کی رضا اور خوشنودی چاہتے ہو، اللہ کی عنایت اور مہربانی چاہتے ہو تو اس کا ایک ہی طریقہ ہے وہ یہ کہ تم لوگ میرا اتباع کرو، اللہ تم سے محبت کرنے لگیں گے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تاکید فرماتے ہیں: **واعفو اللحی وقصّو الشّورب و خالفو المشرکین......** مشرکوں کی صورت اور سیرت سے بچو اور ان کے خلاف کرو، داڑھیوں کو بڑھاؤ اور مونچھوں کو کترواؤ۔...... آج ہماری بیوقوفی کی وجہ سے ہمارے اندر یہ غلطی پیدا ہوگئی ہے کہ صورت غیروں کی، اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کی بنانے پر ہم فخر کرتے ہیں، ڈرنا چاہیے کہیں جناب باری سبحانہٗ وتعالیٰ کی ہمارے اوپر گرفت نہ ہو جائے غضب نہ ہو جائے، صورت اور سیرت جناب رسول

اللہ کی بنائیے۔

تاکیدذکرُاللہ:

اور اللہ کے ذکر سے غافل مت ہوئیے۔ میرے بھائیو! یہ عمرِ عزیز جو ملی ہوئی ہے اس کو غنیمت سمجھئے، جس قدر ممکن ہو اللہ کا ذکر اس وقت کر لیجیے بہت بڑی نعمت ہے اللہ کا ذکر۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: **لکل شیی صقالة و صقالة القلوب ذکر الله**...... ہر چیز کے مانجھنے کی، ملمع کرنے کی، چمکانے کی چیزیں ہوتی ہیں، دلوں کے صاف کرنے کا، مُلمع کرنے کا ذریعہ اللہ کا ذکر ہے۔

فرماتے ہیں: **مَا مِنْ عَمَلٍ اَنْجٰی مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ ذِکْرِ اللّٰهِ**...... کوئی چیز اللہ کے عذاب سے اس قدر بچانے والی نہیں ہے، کوئی امر اللہ کے عذاب سے اس قدر بچانے والا نہیں ہے جتنا کہ اللہ کا ذکر بچانے والا ہے۔...... اللہ کا ذکر خدا کے غضب سے، خدا کی پکڑ سے، خدا کے غصّے سے جس قدر بچاتا ہے اور کوئی چیز نہیں بچاتی۔

داڑھی کا منڈانا یا خشخشی کرانا، ایک مٹھی سے کم کتروانا شریعت میں جائز نہیں ہے، اگر پکا ارادہ ہے کہ شریعت کے موافق داڑھی رکھیں گے، تب تو بیعت ہوئیے اور اگر پکا ارادہ نہیں ہے شریعت کے موافق داڑھی رکھنے کا، تو چلے جائیے، کیوں صاحب سب وعدہ کرتے ہیں؟ کہ شریعت کے موافق داڑھی رکھیں گے اور جو حکم ہے شریعت کا اس کے اوپر چلیں گے؟ (مجموعی آوازیں، داڑھی رکھیں گے، شریعت پر چلیں گے)۔

بیعت:

(اس کے بعد حضرت نے لوگوں کو بیعت فرمایا)

تو جس طرح نماز میں بیٹھتے ہو دوزانو اس طرح بیٹھ جائیے اور کپڑے کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ لیجیے:۔

الحمد للّٰه نحمدهٗ و نستعينهٗ و نستغفرهٗ و نؤمن بهٖ و نتوكل عليه و نعوذ باللّٰه من شرور انفسنا و من سيئات اعمالنا من يهد ه اللّٰه فلا مضل لهٗ و من يضللهٗ فلا هادى له و نشهد أن لا اله الا اللّٰه و حدهٗ لا شريك لهٗ و نشهد ان سيدنا و مولانا محمدً عبدهٗ و رسولهٗ(صلى الله عليه وسلم)...... يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ابْتَغُوْۤا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَ جَاهِدُوْا فِىْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ. ......اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ فَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰى نَفْسِهٖ وَ مَنْ اَوْفٰى بِمَا عٰهَدَ عَلَيْهُ اللّٰهَ فَسَيُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا.

کہئے...... اَشْهَدُ اَنْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَ اَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ

میں گواہی دیتا ہوں کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی عبادت کئے جانے کے قابل نہیں، وہ اکیلا ہے کوئی اس کا شریک نہیں، اور میں گواہی دیتا ہوں کہ ہمارے سردار اور ہمارے آقا، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ ایمان لایا میں اللہ تعالیٰ پر جیسا کہ ہے وہ اپنی ذات میں اور اپنی صفات میں اور اپنے افعال میں، اکیلا ہے، کوئی اس کا ساجھی اور شریک نہیں، اور ایمان لایا میں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں جو کچھ انہوں نے فرمایا وہ سب حق ہے اور ایمان لایا میں اللہ تعالیٰ کے سب پیغمبروں پر اور اس کے سب فرشتوں پر اور اسکی سب کتابوں پر اور قیامت کے دن پر اور تقدیر پر، داخل ہوا میں دینِ اسلام میں سچے دل سے، بَری اور بیزار ہوں میں سب دینوں سے سوائے دینِ اسلام کے، بیعت کی میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں پر بواسطہ ان کے خلفاء کے۔ عہد کرتا ہوں میں کہ شرک نہ کروں گا، کفر نہ کروں گا، بدعت نہ کروں گا، چوری نہ کروں گا، زنا نہ کروں گا، کسی کو ناحق قتل نہ کروں گا کسی پر بہتان نہ باندھوں گا، جہاں تک ہو سکے گا خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمیشہ ہمیشہ اطاعت اور فرمانبرداری کرتا رہوں گا، اپنی طاقت بھر گناہوں سے بچتا رہوں گا، اور اگر کبھی کوئی گناہ ہو گیا تو بہت جلد توبہ کروں گا۔ توبہ کرتا ہوں میں اپنے سب گناہوں سے، اگلے ہوں یا پچھلے، چھوٹے ہوں یا بڑے، ظاہر ہوں یا پوشیدہ، جن کو میں جانتا ہوں اور جن کو نہیں جانتا، اے اللہ! تو سب کچھ سنتا ہے، تو سب کچھ دیکھتا ہے، تو سب کچھ جانتا ہے، تجھ سے کچھ چھپا ہوا نہیں تو گناہوں کا بہت معاف کرنے والا اور رحیم ہے، تو توبہ کو بار بار قبول کرنے والا اور کریم ہے، میری توبہ قبول فرما، اور میرے گناہوں کو بخش دے۔ بیعت کی میں نے حسین احمد کے ہاتھوں پر طریقۂ چشتیہ صابریہ اور طریقۂ چشتیہ نظامیہ اور طریقہ نقشبندیہ اور طریقہ قادریہ اور طریقۂ سُہروردیہ میں، اے اللہ! میری بیعت قبول فرما اور مجھ کو ان سلسلوں کے بزرگوں کے طفیل میں اپنی سچی محبت اور کامل ایمان عطا فرما، میرا خاتمہ ایمان پر ہو اور آخرت میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ اور آپؐ کی شفاعت اور جنت نصیب ہو۔۔۔

دعاء: (اس کے بعد خفی دعا فرمائی جیسا کہ حضرتؒ کا معمول تھا)

☆☆☆☆☆

احیاء العلوم کے فضائل

احیاء العلوم کے فضائل ومناقب اتنے زیادہ ہیں کہ ان کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا، حقیقت بھی یہی ہے کہ احیاء العلوم کے مصنف نے اپنی کتاب میں وہ حقائق ومعارف پیش کیے ہیں جن سے پہلے لوگ واقف نہیں تھے، اس کا ہر لفظ گوہر آبدار ہے، ہر مضمون معنی کا سمندر، اُس وقت سے آج تک اہل علم وفضل اس سمندر میں شناوری کرتے ہیں اور اپنی ہمت کے بقدر موتی سمیٹ کر لے جاتے ہیں۔

شیخ عبداللہ ابن اسعد یافعیؒ فرماتے ہیں کہ علامہ اسماعیل حضرمی یمنی سے امام غزالیؒ کی تصانیف کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم سید الانبیاء ہیں، محمد بن ادریس شافعیؒ سید الائمہ ہیں اور محمد غزالیؒ سید المصنفین ہیں۔ یافعیؒ نے یہ واقعہ بیان کیا ہے کہ مشہور فقیہ امام ابوالحسن علی حرزہم احیاء العلوم پر شدید نکتہ چینی کیا کرتے تھے، با اثر اور صاحب حیثیت عالم تھے، ایک دن احیاء العلوم کے تمام نسخے جمع کرنے کا حکم دیا، ارادہ یہ تھا کہ جتنے نسخے مل جائیں گے انھیں جمعہ کے دن جامع مسجد کے صحن میں آگ دے دی جائے گی، لیکن جمعہ کی شب میں انھوں نے عجیب وغریب خواب دیکھا، انھوں نے دیکھا کہ وہ جامع مسجد میں ہیں وہاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ بھی موجود ہیں۔ امام غزالیؒ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑے ہوئے ہیں، جب ابن حرزہم پر ان کی نگاہ پڑی تو انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یارسول اللہ! یہ میرا مخالف ہے اگر میری کتاب ایسی ہی ہے جیسا کہ یہ شخص سمجھتا ہے تو میں اللہ کی بارگاہ میں توبہ واستغفار کروں گا، اور اگر میں نے اس میں وہ سب کچھ لکھا ہے جو مجھے آپ کی برکت اور اتباع سنت کے طفیل میں حاصل ہوا ہے تو اس شخص سے میرا حق مجھے دلایئے۔ امام غزالیؒ کا یہ دعویٰ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ''احیاء العلوم'' ہاتھ میں لی اور شروع سے آخر تک ایک ایک صفحہ دیکھا، پھر فرمایا بخدا یہ تو بہت عمدہ چیز ہے، پھر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے کتاب اٹھائی، پوری کتاب پر ایک نظر ڈالی اور عرض کیا: اس ذات کی قسم جس نے آپ کو پیغمبر بنا کر بھیجا، یہ تو بڑی عمدہ کتاب ہے، آخر میں حضرت عمر فاروقؓ نے کتاب لی، اس پر ایک نظر ڈالی اور کچھ تعریفی جملے کہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ فقیہ علی بن حرزہم کی پشت ننگی کی جائے اور اس پر وہ حد جاری کی جائے جو مفتری پر جاری کی جاتی ہے۔ آپ کے حکم کی تعمیل کی گئی اور کوڑے لگائے گئے، جب پانچ کوڑے لگ چکے تو حضرت ابوبکرؓ نے سفارش کیا اور عرض کیا: یارسول اللہ! شاید انہوں اس کتاب کو آپ کی سنت کے خلاف سمجھا ہو، امام غزالیؒ نے حضرت ابوبکر کی سفارش منظور کر لی۔ جب

ابن حرزہم بیدار ہوئے تو کوڑے کے نشانات ان کے جسم پر تھے، انھوں نے اپنے ساتھیوں کو بلا کر یہ نشانات دکھلائے، پورا واقعہ بیان کیا اور اور غزالی کی مخالفت سے توبہ کی لیکن ایک مدت تک کوڑون کی تکلیف باقی رہی، رات دن آہ وزاری کے بعد ایک رات خواب میں دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ہیں آپ نے ان کے جسم پر ہاتھ پھیرا جس سے وہ تکلیف دور ہوگئی، اس دن سے احیاء العلوم کا مطالعہ شروع کیا، پھر اس فن میں اس قدر انہماک ہوا کہ علم ظاہر کے ساتھ ساتھ علم باطن میں بھی آپ کو زبردست شہرت حاصل ہوئی، یافعیؒ فرماتے ہیں کہ مجھے یہ واقعہ ایک مسلسل سند کے ساتھ پہنچا ہے، اس سند کی آخری کڑی شیخ ابوالحسن شاذلیؒ ہیں، شیخ موصوف ابن حرزم کے معاصر تھے، وہ فرماتے تھے کہ جب ابن حرزہم کا انتقال ہوا اور انھیں غسل دیا جانے لگا تو کوڑوں کے نشانات موجود تھے۔

حافظ ابن عساکر بھی امام غزالیؒ کے معاصرین میں سے ہیں، ان دونوں حضرات کی ملاقات بھی ثابت ہے، فرماتے ہیں کہ مجھے شیخ ابوالفتح شاویؒ کے ایک جواب کی تفصیل مشہور فقیہ صوفی سعید بن علی بن ابی ہریرہ اسفرائنیؒ کے ذریعہ معلوم ہوئی۔ شیخ شاویؒ فرماتے ہیں کہ میں ایک دن مسجد حرام میں داخل ہوا، مجھ پر عجیب سی کیفیت طاری تھی، بیٹھنے اور کھڑے ہونے کی سکت ہی باقی نہیں رہی تھی، اسی حالت میں کعبہ کی طرف منھ کر کے دائیں کروٹ سے لیٹ گیا، میں اس وقت باوضو تھا اگر چہ میری پوری کوشش یہ تھی کہ کسی طرح نیند نہ آئے لیکن میں اس کوشش میں کامیاب نہ ہوسکا اور غنودگی سی چھا گئی، میں نے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں، آپ نے خوبصورت عمامہ باندھ رکھا ہے اور بہترین لباس زیب تن کئے ہوئے ہیں۔ چاروں ائمہ کرام شافعیؒ، مالکؒ، ابوحنیفہؒ اور احمد رحمہ اللہ بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہیں اور اپنے اپنے مذاہب بیان کر رہے ہیں، آپؐ ہر امام کا مذہب سنتے ہیں اور اس کی تصدیق فرما دیتے ہیں، اسی دوران ایک بدعتی شخص باریابی چاہتا ہے لیکن اس کو دھتکار دیا جاتا ہے، پھر میں آگے بڑھتا ہوں اور عرض کرتا ہوں یا رسول اللہ! میرا اور تمام اہل سنت کا عقیدہ تو یہ کتاب احیاء العلوم ہے اگر آپ کی اجازت ہو تو اس کتاب کا کچھ حصہ پڑھ کر سناؤں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اجازت مرحمت فرماتے ہیں، میں احیاء العلوم کے باب ''قواعد العقائد'' کی ابتدائی سطریں پڑھتا ہوں ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، کتاب العقائد میں چار فصلیں ہیں، پہلی فصل اہل سنت کے عقیدہ کی تشریح میں'' جب میں اس عبارت پر پہنچتا ہوں ''انہ تعالیٰ بعث النبی الامی القرشی محمداً صلی اللہ علیہ وسلم الی کافۃ العرب و العجم (باقی صفحہ ۱۲ پر)

ماہنامہ ''البلاغ'' کراچی کا ''مردِ درویش'' پر تبصرہ

نام کتاب : مردِ درویش

نام مصنف: ڈاکٹر حاجی فدا محمد دامت برکاتہم

ضخامت: ۲۲۳صفحات، مناسب طباعت۔ قیمت ۱۵۰ روپے

ناشر: ادارہ اشرفیہ عزیزیہ پشاور

حضرت مولانا محمد اشرف خان سلیمانی رحمۃ اللہ علیہ، سید سلیمان ندوی قدس سرہ کے مسترشد، حضرت حاجی فقیر محمد اور شاہ عبدالعزیز دعا جو رحمہا اللہ تعالیٰ کے خلیفہ مجاز تھے۔

زیر نظر کتاب حضرت ہی کی سوانحعمری ہے، جو کہ حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب زید مجدہم کی مرتب کردہ ہے، کتاب میں صاحب سوانح کے قابل رشک حالات اور روح پرور واقعات درج ہیں، آخر میں پانچ اصلاحی تقریریں بھی شامل ہیں۔ ہماری رائے میں ہر خاص و عام کے لیے اس کتاب کا مطالعہ انشاء اللہ بہت نافع ہوگا۔...................................(ابومعاذ)

ماہنامہ البلاغ کراچی۔(جمادی الاخریٰ ۱۴۲۴ھ/اگست ۲۰۰۳ء)

☆☆☆☆☆

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کسی آدمی سے حال سوال کیا کیسا ہے؟ تو اس نے عرض کیا کہ ان لوگوں میں سے ہوں جو فتنے سے محبت رکھیں اور حق کو ناپسند کریں جس چیز کو دیکھا نہ ہو اس پر گواہی دیں۔ حضرت عمرؓ نے اس کو جیل کا حکم فرمایا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے لوٹانے کو کہا اور فرمایا اس نے سچ کہا ہے، حضرت عمر نے فرمایا وہ کیسے؟ آپ نے فرمایا وہ مال اولاد سے محبت رکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے(**انما اموالکم و اولادکم فتنة**) تمہارے مال اور اولاد فتنہ ہیں، اور موت کو ناپسند کرتا ہے اور وہ حق ہے، اور گواہی دیتا ہے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور آپ کو نہیں دیکھا، حضرت عمر نے اس کو چھوڑنے کا حکم فمایا اور فرمایا **اللّٰہ اعلم حیث یجعل رسالته** کہ اللہ ہی جانتا ہے جہاں اپنے پیغام رکھتا ہے۔

☆☆☆☆☆